ا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حیٰوۃً طیّبۃً کشجرۃٍ طیّبۃٍ اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السّمآء

ایک پاک زندگی ایسے پاک درخت کی طرح جس کی جڑ قائم اور شاخ آسمان میں ہے۔

ترجمہ کتاب

حیات صبغۃ اللہ شاہ

اعنی

سوانح عمری اعلیحضرت فیوض المنزلت آقائے تہرانی

پیر مصطفےٰ اصبغۃ اللہ شاہ ایرانی

بانیٔ سلسلۂ مصطفائیہ دام اللہ فضالہم

من تصنیفِ لطیف

بزبانِ فارسی

رابعۂ زمان و مشفقۂ دوران حضرت امّ الفقراء امّی جان صاحبہ دام ظلّہا

ترجمہ از حکیم ذوقی مصطفائی

دربارِ عالیہ مصطفائیہ شریف

خیر پور میرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمامی حمد و ثنا اور شکر و سپاس اسی خدائے لم یزل و لایزال اور پروردگارِ متعال کو زیبا ہے جس نے اپنے خاص بندوں کو اپنے دربارِ خداوندی میں منظور و مقبول فرمایا اور اپنے فضل و کرم بے نہایت سے اُن کو حیاتِ جاوید عطا فرمائی اور اُن کے باقیات الصالحات کو عالم و عالمیان میں ہمیشہ قائم رکھا۔

اور درُودِ لامحدود رسول خدائے دوجہاں، باعثِ آفرینشِ کون و مکاں، حبیب و محبوب ربُّ العالمین رحمۃ الاوّلین والآخرین، سرکارِ ابد قرار جناب محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو شایاں ہے جنھوں نے جاں نثارانِ امت کو قوانین شریعتِ ظاہری اور اصولِ طریقتِ باطنی کے ذریعہ سلوکِ معرفت کی راہ دکھائی اور حقیقتِ امکانی اور عروجِ لامکانی کے ذریعہ اُس منزل پر پہنچایا جو غایتِ بندگی اور مقصودِ خداوندی ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖٓ اَجْمَعِيْنَ۔

عرصہ سے اخوانِ مصطفائی اعلیٰ حضرت فیوض المنزلت ادام اللہ ظلال افضالہم کی سوانح حیات اور تفصیلی حالات و واقعات کو کتابی صورت میں دیکھنے، سمجھنے اور استفادہ کرنے کیلئے مضطرو بیتاب تھے اور چاہتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کے متبرک و سبق آموز سوانح اگر اول سے آخر تک ایک جگہ جمع کردیے جائیں تو اِن کی نورانیت اور حقائق و معرفت کی واقفیت سے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور حاصل کریں اور باعثِ افتخار سمجھیں۔

چونکہ اس کارِ اہم کے سلسلے میں اعلیٰحضرت کے خاندانی حالات اور طفلی و جوانی کے واقعات اِس دیارِ پاکستان میں بالتفصیل کسی کو معلوم نہ تھے اور ہر شخص سُنی سنائی باتوں میں اختلافِ رائے کا حامل تھا اِس لیے بعض اخص الخواص اخوان نے حضرت امُّ الفقرا امی جان صاحبہ مدظلہا کی خدمتِ عالیہ میں جو اعلیٰحضرت مدظلہم العالی کی سب سے چھوٹی ہمشیرۂ عزیزہ ہیں، درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں اخوان کی اعانت فرمائیں۔ اور تمام وہ واقعات وحالات جو ان کی نظر و حافظہ میں محفوظ ہیں تحریر فرمادیں۔ اور باقی اپنی ہمشیرۂ بزرگ یعنی والدہ میاں عطاء الرحمٰن اور خاندان کے دوسرے بزرگوں سے دریافت کرکے سپردِ قلم فرمائیں تاکہ یہ اہم کام اخوان کیلیے آسان ہو اور مستند سمجھا جائے۔

اس وقت عُلیا حضرت امی جان صاحبہ خلوت و ریاضت و مجاہدہ میں مشغول تھیں۔ آپنے اعلیٰحضرت سے جنگلوں اور ویرانوں میں چلّہ کشی کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن حضرت صاحب نے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ پردہ نشین خواتین کو ایسے مجاہدات کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ہاں، وہ اِن مجاہدات کو آبادی میں رہ کر انجام دے سکتی ہیں۔ اس طرح امّی جان صاحبہ نے حسین علی صاحب کے مکان کراچی میں ایک پردہ ڈال کر چھ ماہ کا اعتکاف کیا۔ پھر ایک چلّہ نئی کراچی میں بغیر کسی ظاہری اہتمام و انتظام کے بحالتِ پردہ خلوت اختیار کی پھر راولپنڈی میں ایک معتقد نے ایک مکان خاص آپ کے لیے تعمیر کرکے آپ کو بلالیا۔ آپ ایک عرصہ وہاں چلّہ کشی میں مصروف رہیں۔ پھر موہڑہ شریف میں اجازت ملی تو آپ نے وہاں بھی اعتکاف فرمایا۔ پھر حضرت صاحب کے ساتھ کراچی تشریف لے آئیں یہاں حسین علی صاحب نے اپنے مکان کا بالائی کمرہ خالی کردیا اور اُنھیں کے اصرار پر آپ نے حضرت صاحب کی سوانح حیات اپنی مادری زبان فارسی میں لکھنا شروع کیا اور تقریباً چھ ماہ میں پورا کرکے عنایت فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب و درجات میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ اَحْسَنِ الْحَال۔ ناچیز مترجم۔

عرضداشت مترجم

جب ۱۹۶۹ء میں یہ ترجمہ مکمل ہونے کے بعد حضرت عالیہ مخدومہ ومصنفہ ام الفقراء جناب امی جان صاحبہ مدظلہا کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے خود ملاحظہ فرمانے کے بعد اعلیٰحضرت فیض منزلت حضور قبلہ مدظلہم العالی کی خدمت سراپا کرم وعنایت میں درخواست کی کہ اسے ایک نظر ملاحظہ فرما کر کتابت کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضرت قبلہ مدظلہم العالی نے قلت فرصت کے باوجود ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔ کہیں مناسب اصلاح فرمائی اور کہیں قلم زد فرمادیا۔ اور سرورق پر مترجم کا نام دینے کے لیے اپنے قلمِ انوار رقم سے یہ اشاریہ تحریر فرمایا جو قطرہ کو دریا اور ذرّہ کو آفتاب بنانے کی عجوبہ مثال ہے :-

تحریر و ترتیب و ترجمہ

عارف باللہ، فانی و باقی حکیم قاری حافظ عبدالغفار ذوقی الہ آبادی اعاظم خلفا و مجازانِ مصطفائی کا یہ ترجمہ اصل تصنیف سے زیادہ نکاتِ عرفانی و ہدایاتِ اخلاقی کا حامل ہے۔ باایں ہمہ مواضع، واقعات اور تاریخیں، جو مصنفہ نے اپنی یادداشت یا ناکافی اطلاعات کی بنا پر قلم بند کی ہیں تاریخی حیثیت کی حامل نہیں کہی جاسکتیں اور حسنِ عقیدت کی بنا پر بعض مقامات پر غلو مترشح ہوتا ہے۔ اس سے پرہیز بہتر ہے۔ دستخط اعلیٰحضرت ۶/۸/۶۹

جہاں تک اس حقیر فقیر پُر تقصیر عاجز و ناکارہ مرید کا تعلق ہے چند کلمات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ جب یہ ارذل ترین اور بے ہمت انسان ۱۹۵۲ء میں اعلیحضرت مدفیوضہم العالی کی بیعتِ سلوک میں داخل ہوا تو اپنے ظاہری احوال اور باطنی تہذیب و اخلاق میں کیا تھا؟ اخوانِ مصطفائی کی بیشتر نگاہیں آج بھی شاہد ہیں۔ "محض ایک کندۂ ناتراش"! جملہ علوم و فنون بے ڈول اور تمام صلاحیتیں کردار و افعال ناہموار تھے۔ اس کا وجود ایک حقیر ذرہ سے کمتر اور اوصاف ناچیز قطرہ سے سبک تر تھے۔

۴۵ سال کی عمر تک پیر کی تلاش میں سرگرداں رہا اور کوئی دستگیر ایسا نہ ملا جو اس آلودۂ جرم و عصیان اور کثافت و نجاست میں غرق غرق انسان کو اُٹھانے کے لیے اپنے پاک ہاتھ بڑھاتا۔ کہیں "او خویشتن گم است" کہہ کر منہ پھیر لیتا۔ اور کہیں سے "من سرِ این کار نہ دارم" کہتا ہوا واپس لوٹ آتا۔ والد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور نے فرمایا تھا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمھارا پیر خود تم کو تلاش کرے گا"۔ یہ اعلیٰحضرت کے کمالِ تصرف کا عجیب کرشمہ تھا کہ نظر پڑتے ہی آپ نے شفقت و عنایت کا ہاتھ بڑھایا۔ ہلاکت آفرین دَلدَل سے نکالا۔ آبِ توبہ سے نہلایا دُھلایا اور جامۂ ارادت پہنا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اور کچھ ایسے مراحمِ خسروانہ اور الطافِ کریمانہ سے پیہم توجہ فرمائی کہ ظاہر اور باطن دونوں کی کایا پلٹ دی۔ اپنی حقیقت سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ کوئی دولت پاس نہیں کہ خود کو مستغنی سمجھا جائے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔ طاقت حاصل نہیں کہ اختیار کا تصور کیا جائے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ حُسن نصیب نہیں کہ نمود و ظہور کی تمنّا کی جائے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ علم کا سرمایہ حاصل نہیں کہ وقت پر کام آئے اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا اور وجود ہی معتبر نہیں کہ آثارِ وجود کا اعتبار کیا جائے هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ بس لے دے کر ایک مرشدِ مہربان کی نگاہِ کرم تھی جس نے ظاہری اور باطنی سہارا دیا۔ خطا کی تو نہیں جھڑکا۔ قصور کیا تو سزا نہیں دی۔ نافرمانی کی تو غصہ نہیں فرمایا۔ نقصان کیا تو ہاتھ نہیں پکڑا۔ بھاگ جانا چاہا تو رسّی نہیں کاٹی۔ قریب آنا چاہا

تو دُوریاش نہ فرمایا۔ زندگی چاہی تو تیغ لَآ اِلٰہَ سے قتل کردیا۔ اور موت چاہی تو اِلَّا اللہ کا آبِ حیات پلادیا۔ اور اس خوبصورتی سے سلوک میں رہنمائی فرمائی کہ طے منازل کا احساس تک نہ ہوسکا کہ کتنی راہ کب آئی اور کب گزرگئی۔ دوسرے جو شب بیداری میں دیتے ہیں آپ نے بستر کی میٹھی نیند میں عطا فرمایا۔ دوسرے جو بھوک و صیام میں دیتے ہیں آپ نے خوش خوری اور شکم سیری میں بخشا۔ دوسرے جو کچھ محنت مشقت ریاضات اور چلّہ کشی میں دیتے ہیں آپ نے آرام و راحت میں تفویض فرمایا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک اللہ تعالےٰ کسی کو یہ کمالِ تصرف عطا نہ فرمائے سجادۂ رشد و ہدایت اُس کے لیے زیبا نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کے تصرفات اور عاجز نوازیوں میں دن دونی ترقی عطا فرمائے اور آپ کے انفاسِ قدسیہ سے تاقیامت بہرہ اندوز ہونے کا موقع عنایت کرے۔

آپ کی داد و دہش اور انعام و اکرام اس درجہ ہیں کہ اس تنگ میدان میں اس کا اظہار ممکن نہیں۔ اور وہ کرامتیں جو بچشم خود دیکھیں اگر بیان کی جائیں تو کون سمجھنے کی کوشش کرے گا، اور اللہ تعالےٰ کی نشانیوں پر ایمان لائے گا۔ بعض تو یہ کہہ کر مسکرا بھی دیں گے "پیران نمی پرند مریدان می پرانند"۔ لیکن اخوان مصطفائی میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کو آپ کی تھوڑی سی صحبت ملی ہو اور اُس نے آپ کی خرقِ عادات و کرامات کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ اور اس کے بالمقابل یہ ناہنجار بجا طور پر محسوس کرتا ہے کہ اس اٹھارہ سال کی مدت میں اپنے حقِ ارادت کا عشر عشیر بھی ادا نہ کرسکا۔ کاش اعلیحضرت از سرِ نو تجدیدِ بیعت سے سرفراز فرمائیں اور تسلیکِ منازل میں دامنِ عاطفت کا سایہ برقرار رکھیں تو شاید اللہ تعالےٰ حقِ ارادت کی بجاآوری کا موقع عطا فرمائے اور گذشتہ کوتاہیوں کا ناگوار احساس شکرانۂ نعمت سے تبدیل ہوجائے ع شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا۔

دوسری بات جو حضور نے اشاریہ میں تحریر فرمائی کہ "بعض مقامات پر غلو مترشح ہوتا ہے"۔ واللہ باللہ کہ اعلیحضرت کا یہ فرمانا بہ نظرِ عوام بالکل درست ہے اور اس سوانح کی عبارت میں

سطحی نظر رکھنے والے اور علمائے شریعت کو قدم قدم پر غلو کا احساس ہوگا اور بالضرور لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ کا فتویٰ صادر کریں گے۔ لیکن اس غلوے فی الدین کی ممانعت میں کلامِ الٰہی کا منشا اپنے دینِ حاصل کے اعتبار سے غلو کرنا ہے۔ یعنی تمھارا جو دین ہے اُس دین کے اعتبار سے غلو نہ کرو۔ اور دین کے چار مراتب ہیں (۱) اصحٰبُ الشمال۔ (۲) اصحٰبُ الیمین۔ (۳) ابرار۔ (۴) مقربین۔ چونکہ اصحاب الیمین کا دین اصحاب الشمال سے افضل و برتر ہے جہاں اُن کے عقول کی رسائی نہیں اس لیے اصحاب الیمین کے حالات ان کے نزدیک غلو سمجھے جاتے ہیں اور مقربین ابرار سے افضل ہیں اس لیے وہ ان کے حالات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کے نزدیک مقربین کے کلام و بیان میں اُن کو غلو نظر آتا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن۔ جب مقربین ابرار کے حسنات کو سیئہ سمجھتے ہیں تو ابرار اُن کے احوال کو غلوے فی الدین شمار کرتے ہیں۔ غلو کا تصور صرف ابرار کے مرتبے تک ہے۔ مقربین کے نزدیک غلو کا کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ وہ مقامِ صِدق "مِنْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ" پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ جس قدر بلند پروازی سے کام لیتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عُلوّیت اور سبحانیت کو اس سے بلند پاتے ہیں اور تمام حالات و کلماتِ غلو پستی و عجز اور کمی و قصور کے حامل نظر آتے ہیں۔ پس غلو ایک اعتباری حکم ہے۔ اس سوانحِ حیات میں بعض وہ مقامات ہوں گے جہاں حاملانِ شریعت غلو کا احساس کریں گے بعض وہ مقامات ہوں گے جہاں صاحبانِ طریقت بھی غلو پر محمول کریں گے۔ لیکن حقیقت و معرفت والے بجا طور پر اندازہ کریں گے کہ ہر جگہ غلو سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر اندازِ تحریر غلو یانہ ہے تو یہ مترجم کی جہالت پر موقوف سمجھ کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ جہالت انتہائی معذوری ہے۔ اور اَلْعُذْرُ مَقْبُوْلٌ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ۔

حکیم ذوقی مصطفائی

اعلیٰحضرت کے خاندانی حالات

اعلیٰحضرت کا خاندانی شجرہ سات پشت سے خاندان کے بزرگوں کے پاس نسلاً بعد نسلٍ محفوظ رہا ہے ۔ جب محترمہ والدہ صاحبہ حضرت والد صاحب قبلہ کے عقدِ نکاح میں آئیں اس وقت اُن کی عمر اٹھارہ سال تھی، اور حضرت قبلہ والد صاحب عمر کے چھیاسٹھ ۶۶ سال گزار چکے تھے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے ۹ سال کے عرصہ میں والدہ محترمہ کے بطنِ مبارک سے تین فرزند عطا فرمائے۔ اول ہماری بڑی ہمشیرہ صاحبہ جو فی الحال مقام نوشہرہ میں بحمد اللہ حیات ہیں (ان کا ازدواج حضرت کاکا صاحب کے خاندان میں، جو ایک مشہور و معروف بزرگ ہیں اور مقام "زیارت کاکا صاحب" اُن کے اسمِ گرامی سے منسوب ہے، صاحب سجادہ بزرگ سے ہوا تھا۔ اور وہ اب تک وہیں قیام پذیر ہیں)۔ دوم ولدِ صالح اعلیٰحضرت مصطفےٰ اصبغۃ اللہ شاہ (جو حضرت پیر ایرانی کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ اور حضرت خواجہ محمد قاسم کیانی موہڑی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل و جلیل خلیفہ ہیں حیدرآباد پاکستان میں مستقلاً اقامت پذیر اور ارشاد و ہدایت کے لیے سجّادۂ مصطفائیہ پر متمکن ہیں)۔ تیسرے چھوٹی دختر کہ یہ راقمۃ الحروف ہے اب تک اعلیٰحضرت کی خدمت میں آپ ہی کی زیرِ سرپرستی خدماتِ خلق اور ریاضات و عباداتِ حق میں مشغول ہے۔ چونکہ والد صاحب کے یہ آخری تینوں فرزند ابھی کم سن ہی تھے کہ والد صاحب قبلہ نے وفات فرمائی اور والدہ صاحبہ بھی عمر کی پختہ حالی کو نہ پہنچی تھیں اس لیے خاندانی شجرہ اور پرانے حالات و اخبار کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ ہاں، اگر ہماری بڑی ہمشیرہ صاحبہ، جو تہران میں فوت ہو چکی ہیں، زندہ ہوتیں یا ہم لوگ ایران میں ہوتے تو شجرۂ اجدادی

حاصل کرتے اور ان کے حالات بالتفصیل ضبطِ تحریر میں لاتے۔

نسبتِ پدری

اعلیحضرت کے آباء و اجداد پشتہا پشت سے دربارِ شاہی کے افسران اور معززینِ سلطنت رہے ہیں۔ حضرت قبلہ والدِ محترم یعنی جناب حاجی علی آقا سرہنگ رحمۃ اللہ علیہ نے عینِ شباب میں اعلیٰ تعلیم حاصل فرمائی۔ آپ مزاجاً بہت ہی حلیم الطبع، صادق القول اور راست کردار تھے۔ وہ اپنے ماتحتوں اور زیردستوں پر نہایت مہربان و شفیق تھے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر خدمتِ خلق میں گزاری۔ اولاً وہ شاہی فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔ لیکن اپنے کمالِ امانتداری کی بنا پر خاندانِ قاجاریہ کے بادشاہ ناصر الدین شاہ شہید کے دربار میں امین و خزانہ دار مقرر ہو گئے۔ اور آخر میں آپ کو ضرورۃً آذربائیجان کے تین صوبوں کی گورنری پر فائز کیا گیا۔ اس لیے کہ ان صوبوں کے باشندے تُرک تبریزی، شجاع، سرکش اور بہت ہی جنگجو تھے۔ وہ کسی بالادست کی فرمانبرداری تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ یہ آپ ہی کی فطری قابلیتیں تھیں کہ آپ نے اپنی بردباری، دیانت داری اور سیاست دانی سے چند سال ہی میں ان سخت مزاج اور سرکش لوگوں کو رام کر لیا۔ اور اس خوبی کے ساتھ ان کی تربیت کی کہ وہ نہ صرف یہ کہ آپ کے گرویدہ ہو گئے بلکہ آپ کو اپنا پیر و پدر و بزرگ تسلیم کرنے لگے۔ اور شریعت و طریقت میں آخر تک ان کو اپنا امام و پیشوا اور رہنما سمجھتے رہے۔ ایک مدت کے بعد جب بادشاہ ناصر الدین شاہ شہید ہو گئے تو آپ نے شاہی خدمات سے دست برداری اختیار کی اور خدمتِ خلق اور عباداتِ حق میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔

امہات اور ان کے فرزندان

حضرت قبلہ والدِ محترم نے یکے بعد دیگرے پانچ نکاح کیے۔ اُن کی پہلی بیوی، یعنی ہماری سب سے بڑی ہمشیرہ کی والدہ صاحبہ بڑی مقدسہ اور مومنہ تھیں۔ وہ اپنی اچھی عادات،

پسندیدہ اخلاق، حسنِ صورت اور جمالِ سیرت کے اعتبار سے خاندان کی مشہور و معروف ہستی سمجھی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو آٹھ فرزند عطا کیے چار پسر اور چار دختر۔ یہ سب نہایت حسین و جمیل اور صاحبِ عقل و تدبیر تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد حضرت قبلہ والد صاحب نے دوسری شادی خاندانِ شاہی میں کی۔ یہ شاہزادی بھی نہایت حسینہ، جمیلہ اور مقدسہ تھیں۔ یہ عین شباب میں فوت ہوئیں۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ کی تیسری بیوی آذربائیجان کی نہایت شائستہ اور قابل و لائق دختر تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے بھی آٹھ فرزند، چار پسر اور چار دختر عطا کیے۔ ان میں سے چار کم سنی میں فوت ہو گئے۔ اور چار حد بلوغ کو پہنچے۔ آپ کی چوتھی بیوی کردستان کی تھیں، جہاں کی عورتیں بہت ہی باہمت، شجاع اور دلیر ہوتی ہیں۔ یہ بھی بہت حسینہ اور جمیلہ تھیں اِن سے تین فرزند اور تینوں پسر ہوئے جن کا نام حسن، حسین اور محسن تھا۔ دو صاحبزادے حسن اور محسن ابتدائے شباب میں فوت ہو گئے۔ اور ایک صاحبزادے جن کا نام حسین تھا سلسلۂ طریقت میں سلوک اختیار کر کے ریاضت و مجاہدہ کے لیے جنگلوں میں چلے گئے اور اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نشان نہ ملا۔ آخری پانچویں بیوی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ محترمہ تھیں جن کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان سے بھی تین فرزند دو دختر اور ایک پسر (حضرت صاحب) بحمدہٖ تعالیٰ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت اور مراتب و درجات میں ترقی عطا فرمائے۔

ولادتِ باسعادت

اعلیٰحضرت کی ولادتِ باسعادت کا حال جو والدہ ماجدۂ محترمہ کی زبانی معلوم ہوا عمومیت کے دائرے سے کہیں زیادہ ارفع و بلند ہے اور اعلیٰحضرت کی پیدائشی ولایت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ فرماتی تھیں کہ:۔

"جس وقت آپ کا نورِ مبارک مجھے تفویض ہوا دفعتہً میں نے اپنے باطن میں ایک عجیب و غریب روشنی پھیلتی ہوئی محسوس کی اور اسی پہلی ساعت میں میں نے اپنے ظاہر و باطن کو منور و

متجلّی ہوتے دیکھا۔ ہر چیز درخشاں اور تاباں نظر آتی تھی جیسے رات کی تاریکی کے بعد کسی مبارک صبح کی روشنی نمودار ہو رہی ہو۔ اور اس کیفیت کو ہم دونوں میاں بیوی نے اس طرح نمایاں دیکھا کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔

"جیسے جیسے اس نور پر ساعتیں گزرتی رہیں حالات ساعتہً بعد ساعتہً ترقی پذیر ہوتے رہے ذکر و فکر و عبادات میں ذوق و شوق بڑھتا رہا اور کسی غیبی میلان کی وجہ سے تسبیح و تہلیل کے مشاغل اور زہد و تقویٰ کے اثرات غالب ہوتے چلے گئے۔ میرے عادات و حرکات و افعال میں ایک ایسا حُسن ظاہر ہونے لگا جسے ہر شخص محسوس کرتا اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔"

ابھی تین ماہ گزرے تھے کہ قبلہ والدِ محترم حج بیت اللہ شریف کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور بوقتِ روانگی محترمہ والدہ صاحبہ سے تاکیداً ارشاد فرمایا کہ ۔۔۔ "مجھے بہ طریقِ الہام معلوم ہوا ہے کہ یہ فرزندِ مسعود بہت ہی نیک خصلت، ستودہ صفات اور حمیدہ عادات ہوگا۔ مخلوق کے ارشاد و ہدایت کا اہم کام سرانجام دے گا اور ہمارے نام و نشان کو روشن کرے گا۔ اس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت میں پوری کوشش کرنا۔"

جب قبلۂ محترم والد صاحب حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ سالارِ قافلہ کی حیثیت سے روانہ ہوئے تو آپ نے راستے میں عجیب و غریب تاثرات اور مبارک و مسعود مبشرات مشاہدہ فرمائے جو بہر طور اسی ہونے والے فرزند کی طرف راجع تھے۔ پانچویں مہینے محترمہ والدہ صاحبہ کی روحانیت میں اس درجہ ترقی ہوئی کہ ہمہ وقت اذکار و عباداتِ الٰہی میں مشغول رہتیں اور مکاشفاتِ غیبی اور حُسنِ احوال کا مشاہدہ فرماتیں۔

آپ کا قول ہے کہ نو ماہ کے عرصہ میں کوئی تکلیف یا گرانی میں نے محسوس نہیں کی بلکہ خلافِ توقع میرے شب و روز پہلے سے کہیں زیادہ راحت و آرام کے ساتھ بسر ہوتے تھے۔ میں خود

اس آرام سکون، سرور، فرحت اور لطافت سے منتخب تھی۔ یہاں تک کہ آخری وقت میں بھی کسی درد و کلفت کا احساس نہیں کیا جیسا کہ عموماً عورتوں کو اس حالت میں ہوتا ہے"۔

پیدائش

ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۳۱۸ھ مطابق سنہ ۱۹۰۰ء بوقت سحر آپ کی پیدائش ہوئی اس وقت جتنی خواتین حاضر تھیں سب نے دیکھا کہ آپ کے وجودِ مسعود سے سارا گھر روشن ہو گیا ہے۔ اس نورانیت میں صبح کی روشنی ماند ہوتی نظر آتی تھی۔ بڑی ہمشیرہ اور بڑی پھوپی، نیز دوسری مقدس محترمات، جو اس وقت حاضر تھیں، فرماتی ہیں۔" اس فرزند کی پیدائش نہایت پاکی اور صفائی کے ساتھ نائلون کی طرح ایک خاص پردے میں ہوئی۔ اگرچہ یہ اس خاندان کی خصوصیت تھی کہ بچے غلاف میں پیدا ہوتے تھے۔ لیکن ایک اور پردہ جو اس فرزند کے چہرے پر نقاب کی طرح تھا یہ صرف آپ کے لیے خاص تھا اور اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

آپ کا چہرۂ مبارک پاک صاف روشن اور رُعب دار تھا۔ پیشانی سے ایسا جلال ظاہر ہوتا تھا جس کی ہیبت سے آپ کے چہرے پر نگاہیں جم کر نہ ٹھہرتی تھیں۔ آپ کے بشرے سے حسنِ یوسفی اور شجاعت و قوتِ حیدری اس طرح ظاہر ہوتی تھی کہ دیکھنے والے متحیر ہو جاتے تھے۔ پیدائش کے وقت ہی آپ جسامت و قوت کے اعتبار سے چار ماہ کے معلوم ہوتے تھے۔ خاندان کے افراد ہی نہیں بلکہ متعلقین، احباب اور اغیار تک آپ کی تعریف سننے والے مرد اور عورتیں نزدیک و دُور سے آپ کو دیکھنے کے لیے آتے اور نظر پڑتے ہی سُبْحَانَ اللهِ وَ تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ بے ساختہ کہنے لگتے تھے۔ خطۂ ایران میں، جہاں حسن و جمال عمومیت کے ساتھ قدرت کی طرف سے ودیعت کیا جاتا ہے، آپ کا یہ حُسنِ مبین اور جمال پاکیزہ ترین اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا نمونہ تھا۔

پدرِ بزرگوار کی حج بیت اللہ سے واپسی

فریضۂ حج ادا کر کے ۹ ماہ کے بعد حاجیوں کا یہ قافلہ صعوباتِ سفر سے

مامون اور ہزار خطراتِ راہ سے محفوظ لسلامت تہران واپس آیا۔ قبلہ والدِ محترم نے فرمایا کہ :-
"اس فرزندِ ارجمند کی سعادت وبرکت سے اللہ تعالےٰ نے ہمارے قافلہ کے ساتھیوں کو ہر منزل میں خطرات سے نجات اور ہر آفاتِ ارضی وسماوی سے سلامتی عطا فرمائی۔ ہر متبرک مقام میں اس بچّے کے متعلق بار بار بشارتیں دی گئیں اور اس کی ولادت کی غیبی خوش خبریوں سے دل اور رُوح کو تسکین وتسلی عطا کی جاتی رہی۔ کیا یہ حیرت کا مقام نہیں کہ ہمارے قافلہ کے علاوہ پہلے اور پیچھے آنے والے سب قافلے دَورانِ سفر راستے کے مصائب یا چوروں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے نہ بچ سکے۔ یہ صرف ہمارا ہی قافلہ تھا کہ ہمیں پورے سفر میں کسی قسم کی تکلیف یا نقصان نہ پہنچا۔ ہر منزل ومقام پر لوگوں نے غیر متوقع پذیرائی کی، اور ہماری ضرورت کی تمام چیزیں ہر جگہ بہ آسانی فراہم ہوتی رہیں۔ میدانِ عرفات میں اور طوافِ کعبہ کے دَوران بھی مخصوص بشارتیں ملیں اور منکشف کیا گیا کہ یہ تمام برکات و فتوحات اسی فرزندِ نومولود کے وجود اور اس کی نورانیت سے متعلق ہیں"۔

نیز فرماتے تھے۔ "میں اس فرزندِ مسعود کی پیدائش کے وقت نمازِ فجر سے پہلے حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتہً میں نے اپنے باطن کو منور دیکھا اور میرے وجود سے ایک نور اس طرح ظاہر کی طرف پھیلا کہ سارا ماحول روشن ہو گیا یہاں تک کہ خیرگی محسوس ہونے لگی۔ یہ کچھ ایسی عجیب روشنی تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے بالیقین معلوم کیا کہ اس وقت فرزند کی پیدائش ہوئی ہے یہ وہی ربیع الاول کا مہینہ اور جمعہ کا دن تھا جو حساب میں بالکل متفق ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب یہ بچّہ بڑا ہوگا تو بڑی بڑی کرامتیں اور خوارقِ عادات اس سے ظاہر ہوں گی اور خلقِ خدا اس سے فیوضات حاصل کرے گی"۔

اعلیٰحضرت کے برادران

آپ کے سب سے گیارہ بھائی اور بارہ بہنیں تھیں۔ بھائیوں میں صرف دو بھائی سنِ بلوغ کو پہنچے۔ ان میں سے ایک کی،

جن کا نام ابی الفضل تھا بائیس ۲۲ سال کی عمر میں شادی ہوئی اور ایک ہی سال کے بعد تئیس ۲۳ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ بھی بہت حسین، بلند قامت، صاحبِ عقل و تدبیر، بڑے قابل ولائق اور ستودہ صفات شاہی توپ خانہ کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ دن کو خدمتِ خلق اور راتوں کو عبادتِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ بڑے بلند ہمت، سخی مزاج اور مہربان طبیعت تھے۔ ان کے محاسن ظاہری اور کمالاتِ باطنی ہی کی بنا پر ان کو ابی الفضل کہا جاتا تھا۔ یہ والد صاحب کی پہلی بیوی سے تھے اور ماں باپ دونوں کے محاسن کا مجموعہ تھے۔ ان سے ایک فرزند پیدا ہوا تھا لیکن کم سنی ہی میں اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ یہ بڑے بھائی (ابی الفضل) اعلیحضرت کی پیدایش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ ان کے انتقال پر والد صاحب اور سارے خاندان نے اتنا رنج اُٹھایا کہ عرصۂ دراز تک کسی فردِ خاندان نے کسی خوشی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ دوسرے بڑے بھائی قبلۂ محترم والد صاحب کی تیسری بیوی سے تھے جو سنِ بلوغ کو پہنچے۔ باقی نوؔ بھائی بعض بچپن میں بعض شروع جوانی میں فوت ہوگئے۔

بارھویں بھائی ہمارے اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہم العالی ہیں۔ بھائیوں میں سب سے آخر آپ کی ولادت ہوئی جن کی ذات سے خاندان نے سعادت و مسرّت کا منھ دیکھا اور گم شدہ خوشیاں واپس لوٹ آئیں۔ قبلۂ محترم والد صاحب آپ کے دیدار سے بہت مسرور اور شادمان تھے۔ اور خاندان کے ہر فرد کو بشارت دیتے تھے کہ "یہ بچہ عمر دراز پائے گا اور میرا جانشین ہوکر خاندان کا نام ایسا روشن کرے گا کہ سب چھوٹے بڑے اس پر فخر کریں گے۔ مجھے مطلع کیا گیا ہے کہ یہی میرا آخری پسر مخلوق کا ہادی، گمراہوں کا رہنما اور بے کسوں مجبوروں کا مددگار ہوگا۔"

انتخاب نام

نام رکھے جانے کے موقع پر خاندانی رسم و رواج کے مطابق بڑے اہتمام و التزام کے ساتھ خوشیاں منائی گئیں۔ افرادِ خاندان، احباب و آشنا حضرات کے علاوہ بزرگانِ دین اور رؤسائے سلطنت و افسرانِ بالا مدعو کیے گئے، محفل آراستہ ہوئی شادیانے

گائے بجائے گئے۔ اور معتقد علما نے غور و تامّل اور قرآنِ پاک کے تفاول سے "مصطفےٰ" نام منتخب کیا۔ جسے تمام اہلِ مجلس مردوں عورتوں نے بیحد پسند کیا، کیونکہ آپ کی ظاہری انفرادیت اور باطنی برگزیدگی کی صحیح معنویت اسی نام سے ظاہر ہو سکتی تھی۔

خصائلِ کودکانہ

شیر خوارگی کے زمانے میں آپ ہمیشہ داہنی طرف سے دودھ نوش فرماتے تھے۔ جلد سیر ہو جاتے اور کم سوتے تھے۔ حلم، بردباری اور غیر معمولی سنجیدگی کے ساتھ مہدِ عافیت میں آرام فرماتے اور ہمیشہ غیر اختیاری کثافتوں اور نجاستوں سے پاک و صاف رہتے تھے۔ جب تک اپنی مقررہ جگہ پر نہ لے جائے جاتے رفعِ حاجات نہ فرماتے۔ ابھی آپ کی عمرِ مبارک چھ یا سات ماہ کی ہوگی کہ زبانِ مبارک سے اللہ اللہ کہنا شروع کیا۔ ہر کلام کے موقع پر "اللہ" فرماتے اور ہر توجہ و خطاب کے لیے اسم اللہ ہی زبانِ مبارک سے نکلتا۔ اور اتنی صفائی سے 'اللہ' فرماتے کہ سننے والے متحیر ہو جاتے۔

عاداتِ طفلانہ

اعلیٰ حضرت شروع بچپن سے ہی نماز کے مشتاق تھے اور بڑے پُر وقار انداز میں نماز کے ارکان ادا کرتے۔ والدِ محترم کے ساتھ مسجد میں تشریف لے جاتے اور عجیب پختہ کارانہ طریقہ پر ادب و احترام ملحوظ رکھتے۔ ابھی آپ نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ بڑی شستگی اور فصاحت کے ساتھ کلام فرمانے لگے۔ نازک اور معصوم ہونٹوں سے کلام کی شیرینی ہمکلاموں کے لیے ایسی جاذب ہوتی کہ وہ دیر تک آپ سے گفتگو کیا کرتے۔ باتوں کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے اِدھر اُدھر کی باتیں دریافت کرتے۔ لیکن جب ان کے جواب میں حیرت انگیز کلمات آپ کی زبانِ مبارک سے سنتے تو اور زیادہ متاثر ہوتے۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام لوگوں کو معلوم ہوگئی کہ اس بچے کے منھ سے نکلے ہوئے کلمات پیش گوئیوں کا کام دیتے ہیں اور الہامی خبروں کی طرح صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر ضرورت مند عورتیں گھر میں آتی رہتیں۔ کوئی پوچھتا "میرا فلاں گُم

ہوگیا ہے یا بے اطلاع کہیں چلا گیا ہے۔ وہ کہاں ہے اور کب آئے گا؟" کوئی کہتا " میں اِس اِس طرح سے بیمار ہوں، اچھا ہو جاؤں گا یا نہیں؟" کوئی دریافت کرتا " میں اِس مصیبت میں گرفتار ہوں اس سے کیونکر نجات ملے گی؟" اعلیٰحضرت اِن تمام استفسارات کے جواب میں بڑی معصومیت کے ساتھ آنکھیں بند کر کے غور فرماتے اور قدرے تامّل کے بعد آنکھیں کھول کر جواب دیتے کہ اس طرح واقع ہوگا۔ اور چشم و ابرو سے کچھ ایسا اشارہ فرماتے کہ سائل کو اطمینان بخش طریقہ پر جواب باصواب مل جاتا۔ اور چونکہ آپ کے ارشادات و اشارات کے مطابق ہی واقعات رونما ہوتے تھے اس لیے اُن کے اعتقادات روز بروز بڑھتے جاتے تھے۔ اِسی دَوران میں آپ نے قرآنِ پاک شروع کیا اور بہت جلد ختم کر لیا۔ آپ بڑی روانی اور صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔ ساتھ ساتھ دینیات کا مطالعہ ہوتا رہا۔ آپ کے معلّمین و استاد آپ کی ذکاوتِ ذہن اور سلامتی حافظہ سے حیران رہ جاتے۔

والد صاحب کا وصال

ابھی آپ پانچ سال اور چند ماہ کے تھے کہ ۱۳۰۲ھ میں حضرت والدِ محترم قدس سرہُ العزیز نے دنیائے فانی سے سفرِ آخرت فرمایا۔ اور قربِ حق حاصل کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

اعلیٰحضرت کی خواہران

حضرت صاحب کی بارہ۱۲ بہنیں تھیں۔ پہلی ماں سے چار لڑکیاں جن میں دو سنِ شعور کو پہنچتے ہی فوت ہوگئیں۔ ایک بہن ایران کے مشہور اور بلند مرتبہ عالم حضرت نظام الواعظین کے ازدواج میں آئیں۔ ان سے تین فرزند عین جوانی میں فوت ہوئے اور وہ خود بھی اللہ کو پیاری ہوئیں۔ ان کے بعد دوسری بہن کا نکاح بھی حضرت نظام الواعظین سے کیا گیا جو اُس وقت ساٹھ سال کی عمر میں تھے۔ حضرت صاحب کی یہ بڑی بہن نہایت ذہین، سخی، عاقل و مدبّر، عابدہ زاہدہ اور حسن، تقویٰ اور قناعت میں بے مثال تھیں۔

ان سے گیارہ بچے ہوئے جن میں سے چھ فوت ہو گئے اور پانچ فرزند دو لڑکے تین لڑکیاں نابالغ تھیں کہ حضرت نظام الواعظین کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمۂ جانکاہ کو آپ نے صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کیا۔ ماں باپ، بھائی بہن، شوہر اور بچوں کے غموں کو شکر و شکیبائی کے ساتھ انگیز کیا۔ کبھی آپ کی زبان سے حرفِ شکوہ و شکایت سننے میں نہیں آیا۔ اگرچہ آپ ابھی جوان تھیں لیکن تارک الدنیا ہو کر ساری زندگی پانچ بچوں کی تعلیم، عبادتِ حق اور دوام ذکر و فکر میں گزار دی۔ ان کی خدمتِ مجالس میں ہزاروں جاہل اور عامی عورتیں علمِ شریعت و طریقت سے آراستہ ہو کر حد کمال کو پہنچیں آپ اپنے کمالِ علم و فضل اور علوم مرتبت کی بنا پر ہی خاندان کی مادرِ مہربان اور باپ کی نائب و جانشین سمجھی جاتی تھیں۔ خاندان کے مرد اور عورتیں اہم امورات میں آپ ہی سے مشورہ لیتے اور فرمانبرداری بجالاتے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت صاحب پانچ سال کے چھوٹے بچے تھے۔ یہی بڑی بہن تھیں جنھوں نے باپ کی جگہ آپ کی تربیت و نگہداشت کی۔ آخر ۷۵ سال کی عمر میں، ماہ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۸ء ایران ہی میں وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جس شہر میں آپ کے انتقال کی خبر پہنچی وہیں رسم تعزیت ادا کی گئی۔ پاکستان میں شہر حیدرآباد اور موہڑہ شریف میں بھی مسلسل تین روز رسمِ فاتحہ اور قرآن خوانی منعقد کی گئی۔

فی الحال والد صاحب سے ایک پسر گرامی یعنی اعلیٰحضرت مصطفےٰ اصبغۃ اللہ شاہ دام فیوضہٗ و برکاتہٗ اور دو بہنیں ایک ماں سے حیات ہیں اور دونوں بہنیں اپنے برادر محترم کی زیر کفالت عبادتِ حق اور محبان و اخوان کی دعا گوئی میں مشغول ہیں۔ یہ چھوٹی بہن (اس کتاب کی لکھنے والی) اعلیٰحضرت کے فدائیوں میں ہے اور بچپن سے اب تک ان سے وابستہ اور والہانہ ارادت مندی کے ساتھ ان کی خدمت میں کمربستہ اور کنیزانہ انداز میں تابعدار اور فرمانبردار رہی ہے۔ آپ کی خدمت میں کبھی جان و مال سے دریغ نہیں کیا اور نہ آیندہ کرے گی۔ آپ کو اپنا آقا و مولا کہتی اور

سمجھتی ہے اور خو کو ان کی خادمہ تصور کرتی ہے۔

نسبتِ مادری

اعلیحضرت کے ننھیال میں بھی پشتہا پشت سے مفتی، قاضی القضاۃ اور صاحبانِ علم و فضل ہوتے چلے آئے ہیں، جن میں سے ہر ایک ملکِ ایران بالخصوص تہران میں صاحبِ تصنیف و تالیف مشہور ہوئے ہیں جن کے احکامات ابتک شرعی اعتبار سے قابلِ اعتماد سمجھے جاتے ہیں۔

اعلیحضرت کے نانا نوری خاندان کے برگزیدہ افراد میں تھے جن کی فارسی تصانیف آج بھی علمائے عظام اور معتمدینِ کرام کے لیے سرچشمۂ علم وہدایت ہیں اور اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ نیز سلوک و تصوف میں اکثر علما اور مشائخ نے آپ کے حلقۂ ذکر میں ارادت و اعتقاد کے ساتھ حاضر ہوکر اعلیٰ مراتب حاصل کیے ہیں اور بلند مرتبے پر پہنچے ہیں۔

اسی خاندان کے بزرگوں میں حاجی ملک الواعظین اور حاجی سلطان الواعظین بھی گزرے ہیں جن کے مواعظ و تقاریر علم و حکمت کا خزانہ ہوتے تھے۔ ملکِ ایران بالخصوص تہران کے عالی مرتبہ فرمان اور علمائے عظام بلکہ ہر خاص و عام ان کا گرویدہ تھا اور انھیں محبوب و محترم سمجھتا تھا۔ دربارِ شاہی سے بھی ان کو لقب و خطاب عطا کیا گیا تھا جو خاندان کے لیے باعثِ فخر تھا۔

اعلیحضرت کے ماموں

اعلیحضرت کے تین ماموں تھے۔ ایک حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کے دربار "مشہد" میں مسندِ نیابت و تولیت پر فائز اولوالعزم بزرگ اور عالم تھے۔ اسی لیے "حضرت وثوق التولیۃ"[۱] کے خطاب سے سرفراز کیے گئے تھے۔ یہ بڑے عالم اور خداترس تھے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر خدا کی عبادت میں بسر کی۔ آپ مخلوق میں ایسے امین و صاحبِ دیانت مشہور تھے کہ لوگ سب سے زیادہ آپ پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے تھے۔

---

[۱] "وثوق التولیۃ" کے معنی "صاحبِ ولایتِ معتبر" کے ہیں۔

دوسرے ماموں آقا انتظام الحکما سلطنتِ قاچاریہ کے شاہی طبیب تھے۔ آپ نے ایران کی مشروطیت (پارلیمانی حکومت) کی رکنیت اور پارلیمنٹ کی ممبری کے فرائض بھی انجام دیے۔ آخری ایام میں آپ کو شمالی ایران کے ایک بڑے صوبہ استر آباد کی گورنری پر فائز کیا گیا۔ اس عہدہ پر آپ کے حسنِ تدبّر کی بنا پر آپ کو انتظام الملک کا خطاب بھی عطا کیا گیا۔

چونکہ یہ بزرگ صاحبِ اولاد نہ تھے اس لیے انھوں نے خاندان کے بزرگوں سے تمنا ظاہر کی کہ حضرت حاجی سرہنگ علی آقا کے جگر گوشہ، یعنی حضرت مصطفےٰ اصبغۃ اللہ شاہ کو ان کے سپرد کر دیا جائے اور وہ اُنھیں اپنے فرزند کی طرح اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں۔ چونکہ یہ بزرگ نہایت لائق و فائق، آدابِ معاشرت و تمدن سے آگاہ، حلیم الطبع اور بالخصوص بچوں پر نہایت شفیق و مہربان تھے اس لیے افرادِ خاندان نے مناسب سمجھا اور ان کو اس ہونہار بچے کی سرپرستی کے قابل جان کر سپرد کر دیا۔

حضرت انتظام الملک کی بیوی بھی بڑی دیندار، خوش طبع، نیک صورت، پاک سیرۃ اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ انھوں نے اس نعمت کو غیر مترقبہ سمجھا۔ اور حضرت صاحب کو گود لیکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجا لائیں۔ اور دونوں میاں بیوی ان کو فرزندِ خداداد سمجھ کر ان کی تربیت و تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ دینیات کی تعلیم، قرآن و حدیث اور علم آدابِ فرائض و سنن و نوافل کے لیے ایک لائق و فائق استاد مقرر کیا۔ ابھی آپ سات برس کے تھے کہ کلام اللہ شریف ختم کر کے علومِ شرعیہ میں ایسا وقوف حاصل کر لیا کہ مشکل سوالات کو ایسی فصاحت و ندرت کے ساتھ حل فرماتے کہ لوگ حیران رہ جاتے اور آپ کو دعائیں دیتے تھے۔

اعلیحضرت کا حلیۂ مبارک

سر کے بال سیاہ گھونگھر والے اور قدرتی شفاف اور چمکدار تھے۔ کشادہ پیشانی، آنکھیں خمار آلود

پتلیاں سیاہ، چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا ہوا، ستواں اور قلمی ناک، وجیہ اور جاذبِ نظر زنخدان اور گلاب کی پتیوں کی طرح سُرخ ہونٹ بہر طور حسنِ کامل کا نمونہ تھے اور آپ کے گورے شفاف رنگ پر بالوں اور پتلیوں کی سیاہی عجب بہار دیتی تھی۔

اعلیٰحضرت کا اندازِ تکلم

بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ یہ اپنے مختصر اور برجستہ جوابات سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔

آپ کی ممانی فرماتی تھیں کہ جس روز آپ کے ختمِ قرآن کے سلسلے میں جشن منایا گیا اور مجلس آراستہ کی گئی تو وزرائے سلطنت، اعلیٰ افسران اور علمائے کرام سب ہی مدعو کیے گئے، اور دعوت میں شامل ہوئے۔ آدابِ رسومات کے بعد حاضرینِ مجلس میں سے ایک بزرگ نے آپ کی فصاحت و بلاغت کی بہت تعریف کی اور دورانِ گفتگو آپ سے سوال کیا :-

"میاں، آپ کو یہ فصاحت و بلاغت اور ندرت کس نے سکھائی ہے ؟"

آپ نے جواب دیا۔ "خدائے واحد نے !" یہ سن کر حاضرین بہت خوش ہوئے اور تعریف کی ۔ دوسرے نے پوچھا :-

"آپ کو کس سلسلۂ تعلیم کا زیادہ شوق ہے ؟"

جواب دیا۔ "خدائے لازوال کے دین کا !"

تیسرے نے پوچھا۔ "آپ زندگی میں کیا مشغلہ اختیار کریں گے ؟"

جواب دیا۔ "خلق اللہ کی ہدایت کا !"

یہ سُن کر ایک شخص مجلس سے اُٹھا اور آپ کو گود میں لے کر باہر چلا گیا کہ خدانخواستہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ ساری محفل نے آپ کی جودتِ طبع اور فراستِ ذہنی کی بے حد تعریف کی۔ حضرت انتظام الحکما سے آپ کے تفصیلی حالات دریافت کیے۔ اور بعضوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ بچہ

دنیا کا بزرگ ترین عالم ہوگا۔ اور اس کا نام ساری دنیا میں مشہور ہو جائے گا۔ اس وقت حضرت صاحب سات برس اور چند ماہ کے تھے۔

طالب علمی میں انفرادیت

خانگی تعلیم کے علاوہ اسی سال آپ نے ابتدائی مدرسہ میں داخلہ لیا اور ہر سال تمام امتحانات میں اعلیٰ ترین امتیاز حاصل کرتے رہے اور علمِ ریاضی میں تو کبھی کوئی آپ کا ہم پلّہ نہ ہو سکا۔ بہترین شاگردوں میں تمام مقررہ اور غیر مقررہ انعامات آپ ہی کے حصّہ میں آتے تھے۔ یہ اپنے اساتذہ سے کبھی کبھی ایسے سوالات پوچھ بیٹھتے تھے کہ وہ جواب نہ دے سکتے تھے۔

امانت اور آدابِ مجلسی

اعلیٰ حضرت بچپن ہی میں اپنے ماموں صاحب کے خزانہ کے امین و محافظ اور یافت و گذاشت کے محاسب و منتظم تھے اور جو اصول و طریقے بتا دیے گئے تھے اُس پر کاربند رہتے تھے۔ آقا انتظام الحکما کے دوست احباب، رؤسائے شہر اور افسران و معززین رات کی مجلس میں شریک ہوتے اور کافی رات تک محفل گرم رہتی جس میں ہمارے اعلیٰحضرت اول سے آخر تک تمام خدمات نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بجا لاتے۔ ٹھنڈے پانی اور گرم چائے کا اہتمام اور مطلوبہ اشیاء کی فراہمی اس خوبی سے فرماتے کہ کبھی تاخیر و انتظار کا موقع نہ آتا۔ اس مجلس میں حضرت صاحب نہایت مؤدّب اور خاموش رہ کر حاضرینِ مجلس کی گفتگو سماعت فرماتے جب تک آپ کو مخاطب کر کے سوال نہ کیا جاتا کلام نہ کرتے اور ہر جواب میں مختصر اور جامع کلمات استعمال فرماتے۔ آواز سے کبھی نہ ہنستے۔ ہاں اظہارِ مسرّت کے موقع پر سنجیدہ تبسم سے کام لیتے۔ اور خواہ کتنی ہی رات گزر جائے کبھی سُستی یا کاہلی کو قریب نہ آنے دیتے۔ آپ کے جملہ حرکات و سکنات اس بلند پایہ مجلس کے شایانِ شان ہوتے تھے۔ آپ نے اس مجلس میں کارِ دنیا، امورات سلطنت و سیاست اور تمدن و معاشرت میں اہم تجربات حاصل فرمائے۔

اسی زمانے میں آقا انتظام الحکما کو صوبہ استر آباد کی گورنری پر فائز کیا گیا۔ اور وہ حضرت صاحب کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ وہاں حصولِ تعلیم ظاہری کے ساتھ آپ نے علوم تصوف اور روحانیات میں بھی قدم آگے بڑھا اور عملاً یاد اللہ اور ذکر و فکر میں مشغول ہوئے۔

تقریباً پانچ سال حضرت انتظام الحکما استر آباد کی گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہیں اعلیحضرت نے اپنی تعلیم مکمّل کی۔ دورانِ تعلیم آپ نے شاگردوں میں وہ نمایاں خصوصیت حاصل فرمائی تھی کہ جب محکمہ تعلیم کے انسپکٹران اور اعلیٰ افسران کلاسوں کی دیکھ بھال اور ضروری جانچ پرتال کے لیے آتے تھے تو اعلیحضرت ہی کو پیش پیش رکھا جاتا تھا۔ اور ہمارے اعلیحضرت سوال و جواب، تلاوتِ قرآن، حمد و نعت اور تقریر و مباحثہ میں ایسی ذکاوتِ ذہنی، قابلیت اور فصاحت کا اظہار فرماتے کہ ہر ایک خوش ہو جاتا، تعریف کرتا اور تمام شاگردوں کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا۔ اور ہر بار آپ ہی اوّل انعام کے مستحق قرار دیے جاتے۔

ماموں اور ممانی کا انتقال

اعلیحضرت نے اپنے بچپن میں اپنے ماموں ممانی، افرادِ خاندان اور جملہ متعلقان کے سامنے ایسی فرمانبرداری اور صبر و قناعت کا نمونہ پیش کیا تھا کہ سب اُن کو دل و جان سے عزیز و محبوب سمجھتے اور شفقت فرماتے تھے۔ اس طرح آپ کا بچپن نہایت خوبی اور کامیابی کے ساتھ ماموں اور ممانی کے زیرِ سایۂ عاطفت بسر ہوا۔ لیکن اسی دوران آپ کے ماموں آقا انتظام الحکما نے ۱۳۰۳ھ میں رحلت فرمائی تو آپ کے نابالغ احساسات کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ بجید ملول اور رنجیدہ خاطر ہو گئے۔ ابھی آپ اس صدمۂ جانکاہ پر قابو نہ پا سکے تھے کہ آپ کی ممانی صاحبہ جو ماں کی طرح شفیق و مہربان تھیں اس دنیا سے رخصت ہو گئیں اور آپ نے اِس کم سنی میں اس دُہرے غم کو جس طرح ہو سکا برداشت کیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

بالغ نظری

اِس وقت حضرت صاحب کی عمرِ مبارک ۱۲ سال اور چند ماہ تھی جب ماموں اور ممانی صاحبہ کا انتقال ہوگیا تو محترمہ والدہ صاحبہ نے دوبارہ اپنے فرزندِ ارجمند کو اپنے ہی آغوشِ شفقت میں لے لیا۔ اصرار کرکے مزید تعلیم کا انتظام فرمایا نیز آپ کی خدمت وسہولت کے لیے دو خادمائیں اور دو ملازم مقرر کردیے تاکہ آپ فراغت اور دل جمعی کے ساتھ علمی سرگرمیوں میں مشغول ومنہمک رہ سکیں۔ اس طرح آپ کی عمرِ مبارک اٹھارہ انیس سال کو پہنچ گئی۔ اس عمر میں آپ کے مزاج وعادات واطوار میں کوئی بڑی تبدیلی تو رونما ہوئی تھی جیسی عام طور سے نوجوانوں میں پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن آپ کے وہ مزاجی اور فطری محاسن جو معصومیت کے نقابِ لباس میں ظاہر ہوتے تھے اب بالغ نظری اور پختگی کے انداز میں متورو متجلی نظر آتے تھے۔ وہی غیور پیشانی، جاذبِ تبسم، مؤثر کلام، پُروقار خرام، کم سخنی اور نکتہ آفرینی اپنے شباب پر پہنچ کر مثالی کردار واطوار میں اجاگر ہوگئی تھی۔ آپ ہر وقت غور وفکر اور بڑی بڑی کتابوں، تفاسیر وتواریخ وغیرہ کے مطالعہ میں مستغرق رہتے۔ اور اِس نوجوانی ہی میں ایک پختہ کار عالم کی طرح نہایت قابل ولائق، شائستہ، ستودہ صفات اور صاحبِ ذوق ثابت ہوتے تھے۔

خاندانِ پہلوی کا آغاز

اِس وقت سلطنتِ قاچار روبزوال ہوگئی تھی اور خاندانِ پہلوی سریر آرائے حکومت ہورہا تھا۔ اعلیٰ حضرت اپنی صلاحیت وقابلیت کی بنا پر اعلیٰ افسران اور سفیران میں محبوبِ ہر دل عزیز ہوچکے تھے۔ ابتداءً آپ نے اپنے والدِ محترم کی جگہ عسکری زندگی شروع کرنی چاہی اور حالات بھی سازگار وموافق تھے۔ اور فوجی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا وقت بھی آچکا تھا۔ لیکن والدہ محترمہ نے اجازت نہ دی۔

رضا شاہ کی خواہش

اس وقت رضا شاہ پہلوی وزیر جنگ تھے۔ ایک روز سفیرِ افغانستان نے کسی خاص تقریب میں رؤسائے سلطنت اور افسرانِ حکومت کے ساتھ اعلیحضرت کو بھی مدعو کیا تھا۔ یہاں پہلی مرتبہ رضا شاہ نے آپ کو دیکھا۔ وہ بہت تیز نظر اور آدم شناس تھا پہلی ہی نظر میں اُس نے اعلیحضرت کی انفرادیت و قابلیت کا اندازہ کرکے آپ سے تعارف حاصل کیا اور پتہ نوٹ کرنے کے بعد آقائے سفیر سردار عبدالعزیز خاں سے اپنے خیال کا اظہار کیا کہ اگر آپ عملی زندگی میں حصہ لینا چاہیں تو میں آپ کو فوج کے دفتر محاسبات میں افسری کا عہدہ دے کر بڑی خوشی محسوس کروں گا۔ لیکن جب والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کیا کہ رضا شاہ پہلوی اعلیحضرت کو فوج میں سرداری کے عہدہ پر لینا چاہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا "فی الحال ہمیں ملازمت کی ضرورت نہیں، میں چاہتی ہوں کہ میرا بچہ علم کے کسی دقیقہ کو فروگذاشت نہ کرے۔ اس کی دلچسپیاں ابھی علوم کے ساتھ پیوستہ ہیں، ملازمت اختیار کرنے کے بعد تحصیلِ علم کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ اموراتِ سلطنت میں حصہ لیں"۔ اس کے بعد پھر رضا شاہ نے آقائے سفیر کے ذریعہ درخواست کی لیکن والدہ محترمہ نے بہ لطائف الحیل انکار کر دیا۔

اساتذہ کا مشورہ

اسی دوران فوجی اسکول کے پرنسپل نے اعلیحضرت کی قابلیت اور علمی خدمات کے صلہ میں آپ کو تمغے اور خطابات عطا کیے اور مشورہ دیا کہ اپنی قابلیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے تدریسی مشاغل اختیار کریں۔ لیکن والدہ صاحبہ نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ کیونکہ ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد باطنی اور روحانی علوم کی طرف خصوصی میلان پیدا ہو گیا تھا اور آپ نے علم مِسمِریزم کے ذریعہ باطنی قوتوں کو ترقی دینے کے لیے اس کے اساتذہ سے مشقیں شروع کر دی تھیں۔ اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس کے اصول کی پابندی کر رہے تھے۔

اعلیٰحضرت کی فوجی خدمات

پہلوی فوج کی سرداری

جب سلطنتِ قاچاریہ کو زوال ہوا اور رضا شاہ پہلوی نے عنانِ حکومت سنبھال کر "اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی" کا لقب اختیار کیا تو ۱۳۰۳ھ میں ہمارے اعلیٰحضرت کو دربار میں طلب کر کے اپنے ارادے کی تکمیل کی۔ اور آپ کو فوج کے دفترِ محاسبات کا نائب اول مقرر فرمادیا۔ چند ہی روز کے بعد آپ فوج حملہ کے افسرِ اعلیٰ اور رضا شاہ پہلوی کے محبوب مقربین میں داخل ہو گئے۔ ایران کی یہ فوجِ حملہ تمام افواج میں سربرآوردہ اور معزز شمار کی جاتی تھی۔ اور ہر معرکہ میں اس کی فتوحات مسلّم ہوتی تھی۔

جنگِ اصفہان

۱۳۵۴ھ میں بختیاریوں نے اصفہان پر یلغار کر دی۔ اور تاریخ کی ایک مشہور جنگ چھڑ گئی۔ بختیاری فوج حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے نقصان پر نقصان پہنچاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اگرچہ ان کی پیش قدمی کو روکنے کیلیے فوجی کمک روانہ کی جارہی تھی، مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

ظہورِ کرامات

اس وقت اعلیٰحضرت عسکری مشغولیتوں اور فرائضِ منصبی کی ادائگیوں کے ساتھ باطنی ریاضات ـــ ترکِ حیوانات، کم خوری، کم خوابی اور خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے نہایت نحیف و زار ہو گئے تھے۔ اپنے ماتحت سپاہیوں کی تربیت کے لیے رات دن جنگلوں اور صحراؤں میں بسر کرتے۔ آپ کے مزاج مبارک میں ایک جلالی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور ہر وقت ایک حالتِ جذب طاری رہتی تھی۔ آپ کی نگاہوں میں ایک ایسی مؤثر طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ جس پر نظر پڑتی مسحور ہو کر رہ جاتا۔ اگر کسی کام کا اشارہ فرماتے، فوراً ظہور پذیر ہوتا۔ اعلیٰحضرت کی یہ کرامات اس طرح پیہم اور متواتر واقع ہوئیں کہ ماتحتوں کے علاوہ افسرانِ بالا بھی

آپ کی مافوق الفطرت طاقتوں کے قائل اور معتقد ہو گئے۔

جنگ اصفہان میں شرکت

جب اصفہان کی جنگ نے شدت اختیار کی اور دیگر ایرانی فوجیں بختیاریوں پر غلبہ حاصل نہ کر سکیں تو حکومت کی طرف سے اعلیٰ حضرت کو حکم دیا گیا کہ اپنی فوجِ حملہ کو لے کر اصفہان پہنچیں اور بختیاریوں کی سرکوبی میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کریں۔ اعلیٰ حضرت اسی حالتِ مجاہدہ وسلوک اور جسمانی نحافت کے باوجود پہلوی سرداروں کو لے کر اصفہان پہنچ گئے اور پہنچتے ہی میدانِ کارزار کا نقشہ مرتب کر کے میمنہ میسرہ اور طالقہ پر اپنے جانباز سپاہیوں کو اور خود مقدمہ پر آہنی دیوار کی طرح قائم ہو گئے۔ اور اس خوبی کے ساتھ دائیں بائیں سے شبخون مارنا شروع کیا کہ دشمنوں کو سنبھلنے تک کا موقع نہ ملا۔ اِس وقت بختیاری سردار ایک پہاڑ کی چوٹی پر قبضہ جمائے بڑی نگرانی کے ساتھ اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ آپ نے اپنے مقدمہ کے سپاہیوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر شبخون مارا اور اپنے اچانک حملے سے دشمنوں کو چوٹی سے نیچے ڈھکیل دیا اور خود مضبوطی اور حفاظت کے ساتھ چوٹی پر قابض ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ سارا میدانِ جنگ آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ اور آپ نہایت ہوش مندی کے ساتھ ضروری احکامات جاری فرمانے لگے۔

بختیاری سردار کی گرفتاری

ایک رات جبکہ میدانِ رستخیز آسودہ اور خاموش تھا اعلیٰحضرت اپنے خاص جان نثار سپاہیوں کو لے کر دشمنوں کی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے چوٹی سے نیچے اُترے اور خاموشی کے ساتھ ان کے کیمپ تک پہنچ گئے۔ وہ تھکے ہوئے باغی سپاہی وردی پیٹی اُتار کر غافل سوئے ہوئے تھے۔ اعلیٰحضرت نے موقع کو غنیمت جان کر جسارت سے کام لیا اور انھیں چند نفر سپاہیوں

کے ساتھ بختیاری سردار کے خیمے تک پہنچے اور اُسے گرفتار کرلیا۔ یہ پہلی کامیابی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ واپس آتے ہی مقدمہ اور میمنہ و میسرہ کو ایک ساتھ حملہ کا حکم دیدیا۔ ابھی صبح کا آفتاب طلوع نہ ہوا تھا کہ دشمنوں کی فوج میں ایرانی فتح کا پرچم لہرا رہا تھا اور تمام ایرانی افواج میں فتح و مسرت کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

فتح و کامیابی جب ایران کے رئیس الافواج کو یہ خوشخبری پہنچائی گئی تو وہ اس غیر متوقع کامیابی کی خوشی میں دیوانہ ہو گیا۔ تالیاں بجا کرنا چنے لگا۔ اُس نے اپنی کارگزاری کی رپورٹ میں رضا شاہ پہلوی کو فتح کی اطلاع پہنچائی اور اس تمام جد و جہد اور فتح و کامیابی کو افتخار کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا جس میں ہمارے اعلیٰحضرت کا کوئی نام و ذکر نہیں تھا۔ اس کے جواب میں رضا شاہ پہلوی نے اظہارِ مسرّت کے ساتھ چند نشان و خطابات ارسال کرکے اُسے اعلیٰ مرتبہ پر ترقی عطا فرمائی جو درحقیقت ہمارے اعلیٰحضرت کی ذاتِ گرامی کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔

تلخ تجربہ رئیس الافواج اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ یہ ساری کامیابی فوج حملہ کے سردار یعنی ہمارے اعلیٰحضرت کی شجاعت و قابلیت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ اُس نے آپ کو تخلیہ میں طلب کیا۔ اور کہا:۔

"مصطفےٰ شاہ، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میری اس فتح کا سہرا صرف آپ ہی کے سر ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ فوج لڑتی ہے اور نام سردار کا ہوتا ہے۔ اس لیے دربارِ شاہی سے مجھے جو عزت و رفعت عطا کی گئی ہے اُسے آپ بھی میرے لیے تسلیم کریں اور حقیقتِ حال کو پردے میں رہنے دیں۔"

حضرت صاحب تو ایثار و مروت اور شجاعت و جوانمردی کا مجسمہ ہی تھے۔ آپ کو ظاہری نام و نمود اور دنیادی افتخار و سربلندی کا کبھی خیال نہ ہوتا تھا۔ اور پھر باطنی مشغولیتوں اور روحانی مراتب کی رفعتوں نے آپ کے خصائلِ حمیدہ کو انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا دیا تھا۔ آپ نے

مسکرا کر فرمایا ــــ " یہ تمام نشان وخطابات اور ترقی درجات جو دربار شاہی سے فتح کی خوشی میں عطا کیے گئے آپ کو مبارک ہوں۔ میرے لیے انسانیت کا یہ بلند مقام نہیں۔ ممکن ہے کہ خدائے قادر مجھے اُس خاص مقصدِ انسانیت کے بلند مقام پر رسائی عطا فرمائے جو اس کے خاص بندوں کے لیے مخصوص ہے " اس کے بعد اعلیحضرت ایرانی افواج کو جشنِ مسرت میں مشغول چھوڑ کر فوجِ حملہ کے ساتھ تہران تشریف لے آئے۔

طریقت کی طرف میلان

اس وقت اعلیحضرت مدظلہم العالی اپنی عمر مبارک کے ۲۹ سال پورے کر رہے تھے۔ فن مِن مِیتزم میں آپ کی مشقیں کمال کو پہنچ چکی تھیں، لیکن سیر وسلوک اور قرب الی اللہ کی پیاس اس درجہ ترقی پر تھی کہ آپ کو خواب وخور اور آرام و راحت کسی حال میں میسر نہ تھا۔ جب معلم مِن مِیتزم نے آپ کی اس حالت کا مشاہدہ کیا اور یقین کر لیا کہ مِن مِیتزم کے میخانے میں آپ کی پیاس بجھانے کے لیے دُردِ تہ جام تک نہیں ہے تو ایک دن اُس نے مشورۃً آپ سے کہا ــــ " میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی روحانیت کو ایسے اعلیٰ مقام کی ضرورت ہے جو اکتسابی علوم کی حدود سے ماوراء ہے۔ آپ کی قوتِ مدرکہ اس کہربائی صفت کی حامل ہے جو صرف عالمِ ملکوت کے انکشافات ہی سے سیر ہو سکتی ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ کسی روحانی عالم اور باطنی رہنما کی تلاش کریں اور طریقت کے راستے سے مقامِ قرب تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

بیعتِ اوّل

اس وقت خاکِ ایران شہر تہران میں حضرت آقا شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ رُشد وہدایت نعمت اللّٰہی مشہور ومعروف بزرگ تھے۔ اعلیحضرت جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے پہلی ہی نظر میں اِس جوہرِ قابل کو پہچان لیا ــــ اور ۱۳۵۲ھ میں آپ کو بیعت کر کے آپ کی تعلیم وتربیت شروع کر دی۔ جوہر جتنا وزنی اور قیمتی ہوتا ہے

نگینہ ساز اتنا ہی اس کی تراش خراش اور جلا و صیقل میں دل چسپی لیتا ہے۔ حضرت شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ اِس جوہرِ قابل کی صلاحیتوں کا مشاہدہ کر کے پھولے نہ سماتے تھے۔ ان کی "سان" کی ایک ایک گردش انوار کے خزانے بکھیر دیتی ــــ وہ اِس راستے میں ایک قدم آگے بڑھاتے اور آپ کا جذب و شوق چار قدم آگے بڑھ جاتا۔ آپ نے مقاماتِ سلوک میں طائرنگاہی پر اکتفا نہ کی بلکہ جس منزل پر پہنچے اس کو اپنا مقام پایا، جس مقام پر ٹھہرے اُسے مسافر خانہ سمجھا۔ اور جس چشمہ سے پانی پیا آپ کی پیاس دُوگنی چوگنی ہوتی گئی ؎

پانی میں رہ کے پیاس طلب کی نہ بجھ سکی ۔۔۔ کیا وصل ہے کہ وصل کا احساس بھی نہیں

ابتدائے سلوک

حضرت شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت میں آتے ہی آپ کے انہماک باطنی میں اس درجہ ترقی ہو گئی کہ آپ کو اپنی فوجی خدمات اور منصبی مصروفیات گراں گزرنے لگیں۔ لیکن آپ نے مافوق الفطرت طریقہ پر ظاہری اور باطنی دونوں گرانباریوں کو استقلال کے ساتھ انگیز کیا۔ دِن کو فوجی خدمات انجام دیتے اور راتوں کو پیرِ طریقت کی صحبت میں مشغول و منہمک رہتے۔ جلد ہی آپ کے ظاہری اور باطنی حالات میں نمایاں تبدیلی واقع ہو گئی۔ لباس و پوشاک کی دیکھ بھال اور طعام و شراب کی طلب و خواہش مفقود ہو گئی۔ جس وقت جو مل گیا پہن لیا اور جو سامنے لایا گیا کھا لیا۔ دن کا روزہ اور رات کا قیام آپ کا معمول ہو گیا تھا۔ احباب و اعزا آپ کی ملاقات کو ترسنے لگے تھے۔

وارداتِ شعری

اسی دَوران آپ کی موزوں طبیعت پر وارداتِ شعری کا ظہور ہونے لگا آپ تقاضائے وقت کے مطابق توحیدیہ، حمدیہ اور ثنائیہ اشعار موزوں فرماتے اور دیر تک ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتے رہتے۔ لیکن آپ نے اپنے ذوقِ شعری کو وقتی تواجد و تفرج کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا اور اس فن کو علمی اور روحانی ترقی کیلیے رکاوٹ جان کر

اس میں اوقات صرف کرنا مناسب نہ سمجھا اور نہ اپنی شاعری کی حفاظت فرمائی (آپ کی شاعری کا بیان "آپ کی شعرا نوازی" کے عنوان میں آگے درج کیا جائے گا)۔

جذبۂ فرارِ الی اللہ

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کمانڈر کی حیثیت سے اپنی فوج کے ساتھ کسی میدان یا کوہسار میں مقیم ہوتے اور جذبۂ باطن طاری ہوتا تو فرائضِ منصبی سے بے نیاز رخصت لے کر دو دو تین تین دن جنگلوں اور غاروں میں روپوش ہو جاتے ابتداءً آپ کے ماتحت ارکان کو تشویش لاحق ہوتی تھی۔ لیکن بعد میں سب کو معلوم ہو گیا کہ آپ کی یہ غیر حاضری کسی اعلیٰ مقصد کے لیے ہوتی ہے اور آپ واپس آکر کوئی قیمتی موتی یا پُر کیف معانی سے فیضیاب کرتے ہیں تو سب کو اطمینان ہو جاتا اور صبر کے ساتھ آپ کی واپسی کا انتظار کرتے۔

ہندوستان کی بشارت

اس طرح ایک سال گزرا تھا کہ حضرت شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ نے، جو شب و روز آپ کی ترقیوں پر گہری نظر رکھتے تھے، اپنے انکشافِ باطنی سے عجیب حالات کا مشاہدہ فرمایا اور کہا:۔

"بچہ مصطفےٰ! میں تمھاری روشن پیشانی میں تقدیرِ الٰہی کو دیکھ رہا ہوں تمھارے لیے ترکِ وطن کر کے ہندوستان کا سفر کرنا ناگزیر ہے۔ تمھاری قسمت کا خزانہ اور حصہ کی دولت وہاں رکھی گئی ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ تم ہندوستان جاؤ اور وہ خزانہ اور دولت حاصل کرو جس پر تمھارے نام کی مہر لگی ہوئی ہے۔"

یہ کلماتِ بشارت آمیز سُن کر آپ کے دل میں ہندوستان پہنچنے کا ایسا اشتیاق پیدا ہوا کہ آپ پَر لگا کر اُڑ جائیں اور شاہین کی طرح ایک ہی پرواز میں ہندوستان جا پہنچیں لیکن فوجی خدمات سے سبکدوش ہونا آسان نہ تھا۔ اور پھر والدہ صاحبہ بھی ہندوستان کے سفر کی اجازت دینے کو تیار نہ تھیں۔ اس لیے آپ بہت زیادہ ملول اور غمگین رہنے لگے۔ کھانا پینا چھوٹ

گیا۔ والدہ صاحبہ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر شادی کرنے اور قیودِ ازدواج میں جکڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ خاندان کی حسین ترین دوشیزاؤں میں ایک لڑکی کو منتخب کرکے ابتدائی مراحل بھی طے کر لیے۔ قرار پایا کہ شعبان المعظم ۱۳۵۷ھ کی آخری تاریخوں میں نام زدگی (منگنی) کی رسم ادا کردی جائے گی۔ حضرت صاحب اگرچہ والدہ محترمہ کے حکم پر ادباً خاموش تھے، لیکن شادی کے قید و بند میں گرفتار ہونے کو تیار نہ تھے۔ اُن کے اس راز سے صرف اُن کی چھوٹی بہن (یہ راقمۃ الحروف) واقف و آگاہ تھی لیکن چونکہ آپ نے تاکیداً منع فرمایا تھا اس لیے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکتی تھی۔

کامیاب بہانہ

اتفاقاً انھیں دنوں بڑی ہمشیرہ کے شوہر یعنی سید عطاء الرحمٰن صاحب کے والد، جن کی شادی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں ہوئی تھی اور جو تحصیل نوشہرہ 'زیارت کاکا صاحب' میں حضرت کاکا صاحب کے سجادہ نشین اور ان کی نسل میں تھے، فوت ہوگئے۔ جب یہ خبر تاسف اثر تار کے ذریعہ تہران میں ہم تک پہنچی تو پرانے تمام غم از سرِ نو تازہ ہوگئے۔ اور تعزیت کے احترام میں منگنی کی رسم کو آئندہ کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔ حضرت صاحب کو عین وقت پر یہ بہانہ بہت ہی کامیاب ہاتھ آیا۔ آپ نے اسی تار کے حوالے سے اپنے اعلیٰ افسران کو چھٹی کی درخواست دی اور تین ماہ کی چھٹی منظور ہوگئی۔ پھر حضور نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ چونکہ منگنی اور شادی کی رسومات میں بڑی ہمشیرہ کی شرکت ضروری ہے اس لیے اجازت ہو تو زیارت کاکا صاحب جاکر ہمشیرہ اور ان کے بچوں کو لے آؤں۔ اس معقول گفتگو پر والدہ صاحبہ نے اجازت دیدی اور حضور اپنی تمام تر خوشیوں کو دل میں چھپائے سامانِ سفر مہیا کرکے عراق و عطیات کی زیارت کے بعد سمندری جہاز کے ذریعہ بصرہ سے ہندوستان روانہ ہوگئے اور دو ماہ کی صعوبت اور سفر کی تکالیف اٹھانے کے بعد زیارت پہنچ گئے۔

خود فراموشی

زیارت کاکا صاحب میں عطاء الرحمٰن کے چچا نے ہمشیرہ صاحبہ اور ان کے بچوں کو تہران روانہ کرنے سے انکار کردیا کہ فی الحال گرمی شباب پر ہے اور سمندر میں

طغیانی کی وجہ سے سفر خطرناک ہے اس لیے اس وقت ہم نہیں جانے دیں گے۔ ہاں گرمی گزر جانے کے بعد یہ سفر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت صاحب کو یہاں بھی اچھا بہانہ ہاتھ آیا اور آپ اپنے شوقِ باطنی اور جذباتِ قلبی سے مجبور ہو کر تہران واپس جانے کی بجائے پشاور چلے آئے۔ اس وقت آپ کا ذوق شوق اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ آپ اپنی ہستی کو بھی بھول بیٹھے تھے۔ اور اتنا بھی یاد نہ رہا تھا کہ میں کون ہوں، کہاں ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جاؤں گا۔ پشاور شہر میں کسی سے شناسائی نہ تھی اور نہ آپ نے کسی سے میل جول پیدا کیا۔ کچھ عجیب حالات و کیفیات کا غلبہ تھا جس کی ترجمانی اِس قطعہ سے کی جا سکتی ہے۔ قطعہ

او خودش اندر حجابِ تست چون سازِ حیات　　　زخمہ زن تا بشنوی از تار آوازِ حیات

شو فنا از خویشتن چون خویشتن داری بہ خویش　　　تا نہ میری کے بدانی تو نشین رازِ حیات

ترجمہ

ہے وہ خود باطن میں تیرے جیسے اک سازِ حیات　　　چھیڑ دے اس ساز کو اور سن لے آوازِ حیات

تو خودی میں مبتلا ہے اس خودی کو کر فنا　　　اس خودی سے آکے باہر ڈھونڈ لے رازِ حیات

دل کا تقاضا تھا کہ تڑپ کر سینے سے باہر آجائے، جان مچل رہی تھی کہ عزرائیل کے بازو لگا کر علیین کی طرف اُڑ جائے۔ دنیا اور دنیا والوں سے قطع تعلق کا سودا سر میں سمایا تو آپ نے اپنا فوجی لباس، تلوار اور تمغہ جات و نشانات ایک صندوق میں بند کر کے زیارت کا کا صاحب اپنی بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے پتہ پر پارسل کر دیا۔ اور کوئلہ کو پانی میں گھس کر ایک خط اس مضمون کا تحریر فرمایا:۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

میں حضرت مصطفےٰ شاہ صاحب کے پس ماندگان اور افرادِ خاندان کو تعزیت کا

پیغام دیتے ہوئے صبر کی تلقین کرتا ہوں۔ وہ میرے ہم سفر اور بڑے مہربان دوست تھے اور اچھے جوان اور خوش کردار۔ اُن کی وصیت کے مطابق اُن کے دیے ہوئے پتہ پر ان کا سامان روانہ کرتا ہوں اور نہایت افسوس کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اُن کی رُوح پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔"

جب یہ خط اور پارسل زیارت کا کا صاحب میں اُن کی ہمشیرہ کو ملا تو انھوں نے بہت گریہ وزاری کی اور اطلاع ضروری سمجھ کر یہ خط ان کے لباس میں رکھا اور راس راقمۃ الحروف کے پاس تہران بھیج دیا۔ جب والدہ صاحبہ کو خط کے مضمون سے اطلاع ہوئی تو اُن پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ تو پہلے ہی ایک بچے کے جنگل میں روپوش ہو جانے اور واپس نہ آنے سے غمزدہ اور ترکِ تعلقات کر کے عبادتِ خداوندی میں اوقات بسر کر رہی تھیں اس غم نے اور بھی اُن کو نڈھال کر دیا۔ خاندان میں عرصہ تک مجالسِ ختمِ قرآن اور رسوماتِ تعزیت کا سلسلہ جاری رہا اور چار سال تک تمام خوشیوں اور عیدوں کی تقریبات کو برطرف رکھا گیا۔ اور خاندان کے ہر فرد نے کامل سوگ منایا۔

غیر حاضری کا ردِ عمل

ہر زمانے اور ہر مقام پر فوجی افسروں اور سپاہیوں کا بغیر اطلاع و منظوری غیر حاضر ہونا جرم شمار کیا جاتا ہے جب تین ماہ کی رخصت کے بعد مزید تین ماہ غیر حاضر رہے اور اپنے متعلق کوئی اطلاع بھی نہیں دی تو وزارتِ جنگ کی طرف سے آپ کی طلبی کے احکامات جاری ہوئے اور تلاش ہونے لگی۔ کوئلے سے لکھا ہوا خط جو بطورِ ثبوت پیش کیا گیا چونکہ مدھم ہو کر مشکوک ہو گیا تھا اور صاف پڑھا نہ جاتا تھا اس لیے ناقابلِ اعتبار سمجھا گیا اور رضا شاہ پہلوی تک آپ کی غیر حاضری کی اطلاع پہنچائی گئی تو اُن کی طرف سے امر واقعہ کی تفتیش و تصدیق کے لیے خاص احکام جاری ہوئے۔

وزارتِ جنگ کی طرف سے حضرت صاحب کی اننی تصاویر دے کر تیس خفیہ پولیس کو ہندوستان روانہ کیا گیا اور وائسرائے ہند کو لکھا گیا کہ وہ صاحبِ تصویر کی تلاش و معلومات میں ایرانی پولیس کے ساتھ تعاون کرے۔ وائسرائے ہند نے چالیس خفیہ پولیس کو جن میں بیس ہندوستانی اور بیس ایرانی تھے حضرت صاحب کی تصویریں دے کر اطراف و اکناف میں روانہ کر دیا۔ بالفرض اگر حضرت صاحب اُس وقت اُن کے ہاتھ آجاتے تو عسکری قوانین کی گرفت سے نہ بچ سکتے اور مقررہ سزائیں آپ پر عائد کی جاتی۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم شاملِ حال تھا اور آپ عالمِ بے خودی و سرمستی میں بے اختیار ویرانوں اور جنگلوں کی سیر اور تلاشِ حقیقت میں مصروف تھے، آپ کو کیا معلوم کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور آپ کیلیے کیا کیا پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔

اِنقطاعِ از علائق و اسباب

جب حضرت صاحب نے اپنا سامان زیارت کا کا صاحب روانہ کر دیا تو اس وقت آپ کے پاس کم و بیش چھ سو روپے تھے۔ اس بارِ گراں کا احساس آپ کو دشوار معلوم ہوا۔ آپ نے چاہا کہ اس سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔ اتفاقاً ایک سڑک سے گزرتے ہوئے، ایک ویران مسجد کے دروازے پر آپ نے ایک اندھے فقیر کو دستِ سوال پھیلائے ہوئے دیکھا اور کُل روپیہ اُس کے ہاتھ میں رکھ کر اشاروں سے سمجھایا کہ یہ نوٹ ہیں ان کو احتیاط سے رکھو اور اپنے گھر جا کر ضروری اخراجات میں صرف کرو۔ یہ اللہ تعالےٰ نے تمھارے لیے بھیجا ہے اس کا حق شکر ادا کرو۔ اور آپ صرف اپنے بدن پر کپڑوں کے ساتھ آگے روانہ ہو گئے۔ اب آپ بالکل ہلکے پھلکے تھے، نہ سامان و اسباب تھا کہ کندھوں پر اُٹھانا پڑے نہ روپیہ پیسہ کہ اس میں دل اٹکا رہ جائے بس خدا تھا اور آپ۔ کیونکہ ؎

از دل برون کنم غمِ دنیا و آخرت — این خانہ جاے رخت بود یا خیالِ دوست

ترجمہ

دل سے نکال دوں غمِ دنیا و آخرت — سامان کی جگہ نہیں، یہ ہے برائے دوست

بیخودی و صحرانوردی

آقائی و مولائی جناب حضرت صاحب جہان اور جہاں والوں سے فارغ اور دنیا دی حالات و واردات سے بے خبر صرف ایک قمیص اور سفید شلوار پہنے اور ایک ادنیٰ سیاہ چادر کندھوں پر ڈالے تن تنہا جنگلوں اور پہاڑوں میں آگے بڑھتے اور رات دن گزارتے رہے۔ اکثر جنگلی جانور اور وحشی درندے آپ کے ساتھی ہوتے مگر کوئی تکلیف نہ پہنچاتے۔ ہفتوں اور مہینوں کسی انسان کی صورت نظر نہ آتی اگر کبھی کوئی مل بھی جاتا تو آپ کی ایرانی زبان نہ سمجھتا اور مایوس ہو کر اپنا راستہ لیتا۔

اس طرح دو مہینے وادیٔ غربت اور سلوکِ مسافت میں بسر ہو گئے۔ کھانے کے لیے جنگلی پھل، درختوں کے پتے اور خود رَو گھاس میسر آتی۔ کئی کئی دن پانی کی صورت نظر نہ آتی اور ہفتوں ریگستان کی شدید گرمی اور بے آب و گیاہ میدانوں میں سفر کرتے رہتے۔ نہ دھوپ کی پروا نہ اندھیرے کا ڈر، نہ بھوک کا احساس نہ پانی کی طلب، نہ درندوں کا خوف نہ تکان کا غلبہ ایک طلبِ حق تھی جو آپ کو کشاں کشاں لیے پھرتی تھی۔

ریگستان سے کانٹوں کے جنگلوں میں پہنچے تو حال یہ تھا کہ پاؤں کے جوتے پھٹ کر اتر گئے تھے۔ تلوے چھلنی ہو چکے تھے۔ لباس تار تار ہو کر بدن پر جھول رہا تھا۔ ناخن بڑھے ہوئے اور سر کے بال کندھوں تک اُلجھے ہوئے۔ کتنا وحشیانہ انداز تھا۔ مگر اس ہیئتِ کذائی میں آپ کی پاکیزہ رُوح معرفت و حقیقت کے انوار سے منور، جذب و شوق کی فراوانی سے مست و رقصاں اور بیخودی و خود رفتگی کے نشہ میں ایسی سرشار ہوتی چلی جاتی تھی کہ ظاہر حال پر نظر ڈالنے کی مہلت نہ ملتی۔

اور آپ قربِ خداوندی کی منزلوں میں والہانہ سیر کرتے چلے جاتے تھے۔

مردانِ خدا

اتفاقاً آپ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچے جہاں ایک فقیر ایک غار میں مقیم تھا۔ آپ چند روز اس کے مہمان رہے۔ جب اُس مردِ روشن نگاہ اور اسرار آگاہ نے آپ کے باطن میں ذوق وشوق کی فراوانی اور پیشانی پر کمالِ سعادت کے انوار منور وتاباں دیکھے تو ایک دوسرے پیر کی طرف رہنمائی کی اور ایک خاص پتے پر آپ کو روانہ کر دیا۔ ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد ایک دوسرے مردِ بزرگ تک پہنچے جو اپنے مریدوں اور فرماں برداروں کے ساتھ ایک ویرانے میں مقیم تھے۔ اُن کا طریقِ سلوک شور وغوغا اور ہای وہو میں منہمک رہنا آپ کو پسند نہ آیا۔ اور آپ وہاں سے آگے روانہ ہوگئے۔ اس طرح چھ ماہ کی مدت میں آپ نے اسّی بزرگوں اور صوفیوں سے ملاقات کی اور ہر جگہ آپ کو جمال وکمال میں ایک نیا رنگِ سلوک نظر آیا۔ لیکن آپ کو کسی جگہ سیری نہ ہوئی اور آپ نے کہیں ٹھہرنے کا ارادہ نہ کیا۔

اَلرِّجالُ فی القریۃ

آخر آپ ایک ایسے وسیع ریگستان میں پہنچے جہاں آفتاب کی حدّت قیامت کا نمونہ پیش کرتی تھی اور گویا بھاڑ میں گرم کیے ہوئے بالو کے ذرّات آسمان سے برستے اور بادِ سموم کے تیز جھونکے ذی رُوح کو جھلساتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ سیاہ فام لوگ تالاب میں پانی کے کنارے گردن تک ڈوبے بیٹھے ہیں اور ان کے جانور (بھینس وغیرہ) بھی گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے پانی میں غرق ہیں۔ یہ لوگ ایسی زبان بولتے تھے جو حضرت صاحب کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ حضور نے آگے بڑھ کر ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ ایک طرف خانقاہ سی دیکھی۔ وہاں ایک خدا رسیدہ اور سلوک آزمودہ فقیر مقیم تھا جس نے مسکرا کر حضور کو دیکھا تو حضور اُس کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے۔ اس مقام پر انتہائی خاموشی طاری تھی کسی بیرونی اور مادّی آواز کی کوئی لہر کانوں میں نہ آتی تھی۔ بغیر کسی سوال وجواب کے بزرگ فقیر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اور مراقبہ میں مستغرق ہو گئے۔ حضرت صاحب بھی مراقب ہو گئے اور شام تک دونوں ایک ہی حالت میں بیٹھے رہے۔

شام کو ایک خاص آدمی نے فقیر کے سامنے ایک پیالہ دُودھ پیش کیا اور اتنا ہی حضرت صاحب کے سامنے رکھا۔ دونوں نے افطار کیا اور عبادات و مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ یوں ہی صبح سے شام اور شام سے صبح ہوتی رہی۔ اس تحیر و بے خودی کی مشغولیت نے ناسوتی علائق کو منقطع کر دیا اور سیرِ ملکوتی میں کچھ ایسے عجیب حالات اور غریب مشاہدات ظاہر ہوئے جنھیں الفاظ و کلام میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ؎

غیرِ معنی و لفظ صحرائے — این و آن را دران نہ یارائے
گم شدن ہست یافتن اینجا — بے خودی ہست کار فرمائے

ترجمہ

غیرِ معنی و لفظ ہے یہ جہاں — این و آن کا نہیں ہے کوئی نشاں
خود سے کھو جانا ہے یہاں پانا — بے خودی بس ہے حاکمِ دوراں

چالیسویں روز اس مردِ کامل نے مراقبہ سے سر اُٹھایا اور حضرت صاحب کو بڑی محبت کی نظر سے دیکھا اور "خواجہ قاسم کیانی، موہڑہ شریف" کہہ کر کلمہ کی انگلی سے کوہ مری کی طرف اشارہ کیا۔ ہاتھ اُٹھا کر دعا کی اور کھڑے ہو کر حضرت صاحب کو رخصت کر دیا۔ (یہ بزرگ تھے حضرت حسین علی وان بچھراں میاں والی والے جید عالم، مفسر، مدرس نقشبندی۔ جن کی تفسیر میں آیات، سورۃ رکوعات اور سپاروں کے آپس میں ربط کی خصوصیت ہے)۔

ملاقاتِ خضرؑ

حضرت صاحب نے فقیر کے الفاظ و اشارات کو بخوبی ذہن نشین کر لیا تھا۔ آپ کوہ مری کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ اسی فقیرانہ حال اور مسافرانہ

جہاں سے نشیب و فراز کو عبور کرتے چلے جا رہے تھے ایک دیہاتی صورت فقیر اپنے گدھے پر جنگل کی لکڑیاں لادے قریب سے گزرا اور سلام کے بعد شستہ ایرانی زبان میں پوچھا:۔

"مسافر خیر باشد از کجا می رسی؟" (مسافر تمھارا بھلا ہو، کہاں سے آ رہے ہو؟)

"از خدا اے!" (خدا کی طرف سے)۔

"کجا می روی؟" (کہاں جاتے ہو؟)۔

"بخدا اے!" (خدا کی طرف)۔

"از خدا اے چہ کار داری؟" (خدا سے تم کو کیا کام ہے؟)۔

"خدا اے!" (صرف خدا)۔

"مسافر شاد باش۔ از خدا، بہ خدا و برائے خدا۔ لیکن این راہ دراز صعوبتے زہرہ گداز پیش می آرد۔ راہے بدست راست بگیر و شاہراہِ مری جستہ بہ موہڑہ شریف برو کہ خدائے ترا انتظار می کشد۔" (خوش رہو مسافر۔ خدا سے، خدا کی طرف اور خدا کیلیے لیکن راستہ بہت طویل اور دشوار گزار ہے۔ تم داہنی طرف سے چلے جاؤ۔ اور مری کی سڑک پوچھ کر موہڑہ شریف پہنچ جاؤ۔ خدا تمھارا انتظار کر رہا ہے)۔

وہ فقیر ایک قریب کے راستے کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ اور حضرت صاحب اُس کے بتائے ہوئے راستے کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد مری کی کشادہ سڑک پہاڑی پر بل کھاتی ہوئی نظر آئی۔ آپ نے کسی سے نہیں پوچھا کہ یہ کون سی سڑک ہے۔ کیونکہ خدا کے راستے پر چلنے والوں کو دنیا کی شاہراہوں سے کیا کام اور اللہ کے مجذوبوں کو بلندی اور پستی سے کیا سروکار۔ بس چلنا ہی کافی ہے اور پیادہ چلتے رہنا ایک عبادت۔ سالکوں نے جو کچھ پایا ہے پیادہ پائی میں اور سواریاں تمام

لنگڑی لُولی ہو کر راستے میں گر پڑی ہیں۔ اور فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (پس اپنی جوتی اتار دو)۔ اسی طرف قرآنی اشارہ ہے۔

کوئے یار

جب آپ شہر مری کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ لوگوں کے مختلف گروہ رنگ برنگ کے عَلَم و نشان اُٹھائے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ خوش آہنگی اور ہم آوازی سے کلمہ پڑھتے ایک ہی طرف چلے جا رہے ہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ کسی دینی و مذہبی تقریب میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ اور حضرت صاحب نے محسوس کیا کہ یہ سب منزل کے قریب اور کوئے یار کی نزدیکی کے نشانات ہیں۔ آپ بلا ارادہ ایک گروہ کے ساتھ ہو لیے اور بغیر کسی سوال و جواب کے ان کے ساتھ بڑھتے رہے۔

چونکہ آپ نہایت گرم میدانوں اور جُھلستے ہوئے صحراؤں سے گزرتے اور دھوپ کی تمازت اور ہواؤں کی حرارت برداشت کرتے ہوئے اس پہاڑی فضا میں پہنچے تھے یہاں کی خنکی اور لطافت سے آپ نے ایک گونہ لطف و آرام محسوس کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے ایک شدید ہیبتناک خواب سے آنکھیں کھولی ہیں۔ اور اب اُس خواب کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔

فردوس بروئے زمیں

جب اعلیٰ حضرت مری کی آبادی سے آگے بڑھ کر ایک عمیق درّے میں نیچے اُترے تو آپ نے کشمیری پہاڑیوں کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا دیکھا۔ عجیب فردوسی منظر تھا۔ اونچے اونچے درختوں کی چوٹیاں آسمان سے سرگوشی کر رہی تھیں۔ پُر بہار سبزے چاروں طرف زمین پر مچل رہے تھے۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے چشموں سے پگھلی ہوئی برف کا ٹھنڈا اور چاندی کی طرح دودھیا پانی شریر بچوں کی طرح شوخیاں کرتا اور قہقہے لگاتا ہوا ایک جگہ سے نکل کر قریب ہی دوسری جگہ چھپ جاتا تھا۔ سورج کی

کرنیں اس نم اور خنک فضا میں کروٹیں لیتی ہوئی سبزہ زار پر طلائی رنگ بکھیر رہی تھیں۔ فضائے عنبر بو ہوا کو عطر بیز بنا رہی تھی۔ نسیم جانفزا اور شمیم فرحت انگیز دلوں میں نئی زندگی پیدا کر رہی تھی۔ قدم قدم پر زرشک بیدانہ کے بار آور پودے دانوں کی کثرت سے جھکے جا رہے تھے۔ اور بنفشہ ہر طرف اپنے پھولوں کا معصوم تبسم پھیلا کر سرور بکھیر رہا تھا۔ گویا یہ عالم عالمِ دنیا نہیں بلکہ عالمِ بالا کا کوئی حصّہ تھا جو فانی انسان کو حیاتِ جاوید کی لذتوں سے سرشار کر رہا تھا۔ لیکن ایک عاشقِ سرمست کو اس ہوا و گلزار سے کیا سروکار۔ وہ تو خود اپنی جگہ باغ و بہار ہے اور عشقِ محبوب کی جانفزا شراب سے مخمور و سرشار۔ اُسے اِس فردوسی گلستاں کے رنگ و بو سے نہیں بلکہ وصلِ محبوب کے اس پیغام کی خوشی تھی جو شاخ شاخ اور پتوں پتوں سے اُسے مل رہا تھا محبوب کے کوچے کی ہوا رُوح کو تر و تازہ کر رہی تھی اور زلفِ یار کی نکہتِ افزا خوشبو مشامِ جان کو معطر کر رہی تھی۔ جیسے جیسے آگے بڑھتے تھے قرار و سکون استقبال کرتے نظر آتے تھے۔ درختوں کے پتے تالیاں بجا کر مرحبا مرحبا پکار رہے تھے۔ اور طیورِ خوش الحان خوش آمدید کہنے کے انداز میں چہچہا رہے تھے۔

سوادِ موہڑہ شریف

حضرت صاحب اپنے باطنی جذب و کشش سے مغلوب تیز تیز قدم بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ نہ پاؤں کے زخموں کی تکلیف کا خیال، نہ جسمانی درد و تکان کا احساس، نہ فاقہ کی کمزوری نہ تار تار لباس کی شرم دنیا و ما فیہا سے بے خبر، لوگوں کے آگے آگے قائدانہ انداز سے چلے جا رہے تھے۔ ابھی دُور ہی تھے کہ سامنے موہڑہ شریف نظر آیا۔ سب لوگ بلند آواز سے سلام بجا لائے اور پیر کے آداب میں کلماتِ توقیر بیان کرنے لگے۔ حضرت صاحب اگرچہ اُن کی زبان سے آشنا نہ تھے۔ لیکن آپ نے ان کے معانی کو فراستِ باطنی سے بخوبی درک فرمایا۔ اس وقت لوگ بلند آواز سے سلام و آداب بجا لا رہے تھے

لیکن آپ نے اپنے دل کی باطنی آواز سے سلام و آداب پیش کیا جو حضرتِ موہڑہ شریفؒ کی خدمت میں دوسروں سے پیشتر قبول کیا گیا۔ اور اسی وقت حضرت صاحب نے ایک ایسا سُرور اپنے دل میں محسوس کیا جیسے کسی محبوب کی ملاقات میں ہوتا ہے۔

موہڑہ شریف میں قیام

حضرت صاحب سنہ ۱۹۳۰ء کو عرس کے ایام میں موہڑہ شریف پہنچے۔ دربار میں لوگوں کی کثرت سے تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ دروازے سے لوگوں کا اندر جانا اور شرف زیارت کے بعد باہر آنا دشوار تھا حضرت صاحب ادب و احترام کے ساتھ دروازے سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ اور مرشدِ کامل کے دیدارِ پر انوار سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ حضرت موہڑہ شریفؒ اپنے تختِ ولایت اور مسندِ رشد و ہدایت پر بیٹھے اپنے فیوضات اور ارشادات سے لوگوں کو مستفیض فرما رہے تھے۔ جوں ہی آپ کی نظر اس عاشقِ خستہ و دل گرفتہ پر پڑی احساس و اندازِ یگانگت سے مسکرائے اور ہاتھ اُٹھا کر اندر آنے کا اشارہ کیا۔ حضور نے ارادہ تو کیا کہ جلد ہی اندر پہنچ جائیں، مگر ہجوم کی زیادتی سے جگہ نہ مل سکی کہ ایک قدم بھی اندر رکھ سکیں حضرت موہڑہ شریف قدس اللہ سرہُ العزیز نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ہجوم کی طرف راستہ دینے کا اشارہ کیا، کہ ایک طرف ہٹ جاؤ اور دوست کو دوست کے پاس آنے کے لیے جلد راستہ دیدو۔ حاضرین آپ کو دیکھ کر متحیر ہوگئے کہ یہ ایک فقیر خستہ حال پریشان بال اور اس کی عزت و احترام کا اس درجہ خیال۔ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ غریب مسافر کون ہے؟

لیکن کوئی نہ جانتا تھا کہ انھیں بتلاتا۔ ہمارے حضرت صاحب نہایت ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے، آگے بڑھتے اور رُک جاتے۔ پھر آگے بڑھتے کہ ایسا نہ ہو کسی کو تکلیف پہنچے۔ اور آپ کی نظر حضرتِ قبلہ موہڑہ شریف کی نظر سے ملی ہوئی کہ کہاں ٹھہر جانے کا اشارہ ہوتا ہے۔
لیکن حضرت موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ اشتیاقِ معانقہ کے ساتھ دونوں ہاتھ پھیلائے اور سینہ کشادہ کیے ایک ایسے مہربان باپ کی طرح جو اپنے بچھڑے ہوئے سالہا سال کے منتظر فرزند کو سینے سے لگانے کے لیے بیتاب ہوتا ہے، مسلسل قریب آنے کا اشارہ فرما رہے تھے۔
اور یہ خستہ دل عاشق بھی اس روحانی باپ کی ملاقات کے شوق میں ایسے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا جس کے ضربات کی آواز حاضرین کے اس ہجوم میں بھی صاف سنی جا سکتی تھی۔

معانقہ کا انبساط جب ہمارے حضرت صاحب تخت کے قریب پہنچے تو حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے اُن کو سینے سے لگا کر اس طرح دبایا گویا پہلے ہی معانقہ میں اپنے سینے کی ساری دولت آپ کے سینے میں منتقل فرمانا چاہتے ہیں اور اپنے تمام انوارِ باطنی کو آپ کے بے آلائش سینے میں تفویض فرما رہے ہیں۔
پھر حضرتِ موہڑہ شریف نے ایسی خاص توجہ کے ساتھ جو اِن بزرگوں کا شیوہ ہے آپ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے فرمایا۔

"بڑی زحمت و تکلیف اُٹھا کر یہاں تک پہنچے ہو ـــ خوش آمدید!"

ہمارے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت آٹھ مہینے کی طویل مسافرت کی تکان اور رات دن کی پریشانی و غربت کی اُلجھن مطلق زائل ہو گئی اور ایسی لذت و فرحت کا احساس ہوا کہ ساری زندگی میں کبھی محسوس نہ کر سکا تھا۔ معانقہ کے بعد حضرت

موہڑہ شریفؒ نے اپنے قریب بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اور دیر تک حاضرینِ مجلس پر کامل سکوت طاری رہا اور سب مراقبے میں غرق بیٹھے رہے۔ جب حضرت قبلہ موہڑہ شریف نے مراقبے سے آنکھیں کھولیں اور ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی تو ایک ایک کر کے حاضرینِ مجلس ادب کے ساتھ رخصت ہو گئے۔

خلوت در انجمن

سب کے آخر میں حضرت صاحب باہر تشریف لائے اِدھر اُدھر دیکھا۔ نہ کوئی آپ کی زبان سمجھتا تھا اور نہ آپ اُردو یا پنجابی زبان جانتے تھے۔ کس سے کیا کہتے اور پوچھتے تو کیا پوچھتے؟ ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، اور آپ وہاں ایک گوشہ میں مراقب بیٹھ گئے۔ نہ دانے کی فکر، نہ پانی کی خواہش ایک محویت تھی کہ زمان و مکان سے بے نیاز شغلِ باطن میں مصروف ہو گئے۔

یہ عرس کا زمانہ تھا اور حضرت موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نظام الدین ولی رومی (کیئیاں شریف کشمیر) قدس سرہُ العزیز کا عرس شریف ہر سال بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ اور اطراف و اکناف ہی نہیں، بلکہ دُور دُور سے لوگ ظاہری اور باطنی سعادت حاصل کرنے کے لیے خرچ و محنت اُٹھا کر آتے اور ذکر و عبادات میں مشغول رہ کر ثوابِ دارین حاصل کرتے تھے۔ منتظمین کو عرس کے انتظام اور زائرین کی دیکھ بھال سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ ایک ایک گوشہ میں جھانکتے پھرتے۔ وہ کھانے کے اوقات میں یہ آوازِ بلند پکارتے کہ "آؤ لنگر تقسیم ہو رہا ہے اپنا اپنا حصہ لے لو"! لیکن ہمارے حضرت صاحب اُن کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ فرماتے اور اپنی جگہ بیٹھے رہتے۔ مسلسل چھ روز تک بے آب و دانہ بیٹھے رہ گئے۔ اور مجاہدہ کو کامل فرماتے رہے۔

دربار میں طلبی | جب رسوماتِ عرس ختم ہوئے، جملہ زائرین فیوضات و برکات سے مستفیض ہو کر رخصت ہو گئے اور موہڑہ شریف کی وادیاں عرس میں آئے ہوئے انسانوں سے خالی ہو گئیں تو حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے مراقبے سے سر اُٹھایا اور اپنے بڑے صاحب زادے (حضرت پیر نذیر احمد صاحب المعروف بہ ولیعہد صاحب) کو حکم دیا اور فرمایا۔

"جاؤ، ایک عزیز مہمان یہاں کہیں ہوگا، اُسے میرے پاس لے آؤ"!

ولیعہد صاحب دربار سے باہر آئے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی مہمان نظر نہ آیا تو واپس آئے اور عرض کیا۔

"یہاں کوئی مہمان نہیں ہے۔ سب جا چکے ہیں"!

تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت ثانی صاحب سے فرمایا۔ "میرے مہمان کو یہاں بلا لاؤ"!

انھوں نے بھی باہر آکر ہر طرف تلاش کیا۔ جب کسی کو نہ دیکھا تو آکر جواب دیا۔

"یہاں کوئی مہمان نہیں ہے"!

پھر تھوڑے تامل کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے لہراسپ خاں (سلطان میاں) کو تاکیداً فرمایا۔ "جاؤ، اور میرے عزیز مہمان کو، وہ جہاں کہیں بھی ہو تلاش کر کے لے آؤ"!

سلطان میاں بڑے صاحبِ فراست، دانا اور فرمان بردار نوجوان تھے اُس وقت اُن کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہو گی۔ دربار سے باہر آئے۔ ہر طرف دیکھا، تلاش کیا۔ جب کوئی نظر نہ آیا تو خادموں کو بلا کر پوچھا کہ یہاں کہیں کوئی مہمان تو نہیں ہے؟

ایک خادم نے کہا " اور تو کوئی مہمان نہیں ہے بس ایک آشفتہ حال فقیر مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہے۔ نہ کسی سے بات کرتا ہے نہ لنگر کے وقت کھانا لینے آتا ہے۔ خدا جانے وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

یہ سن کر سلطان میاں مسجد میں آئے اور حضرت صاحب کو دیکھا کہ چودھویں کے چاند کی طرح غربت و فلاکت کے بادل میں چھپے بیٹھے ہیں۔ قریب آکر اُن کے شانے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اُن کی رعب دار خمار آلود آنکھیں دیکھ کر ششدر رہ گئے اور صرف ایک اشارہ ہی کر سکے کہ آپ کو حضرت موہڑہ شریفؒ یاد فرماتے ہیں۔ اشارہ سمجھتے ہی حضرت صاحب اُٹھ بیٹھے اور ادب کے ساتھ دربار میں حاضر ہو گئے۔

عنایتِ مشفقانہ

حضرتِ موہڑہ شریف قدس سرہُ العزیز نے سلطان میاں کو شاباش کہا اور اپنے عزیز مہمان کو شفقت و محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔

آپ کے صاحبزادگان متحیر تھے کہ آخر یہ نا آشنا کون ہے کہ حضرت اتنی شفقت و عنایت فرماتے ہیں حضرت موہڑہ شریفؒ نے حکم دیا کہ ہمارے لیے جو کھانا تیار کیا گیا ہے لے آؤ۔ جب خواتین حرم کو معلوم ہوا کہ ایک مہمان بھی موجود ہے تو انھوں نے مزید اہتمام کے ساتھ مرغن اور لذیذ کھانا دربار میں بھیج دیا۔ آپ نے ہمارے حضرت صاحب کو کھانا تناول فرمانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی آپ نے دو چار لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچنا چاہا اور کھانے کا حکم دیا۔ پھر اور، پھر اور، یہاں تک کہ آپ نے سب کھانا کھا لیا اور برتن کو ایسا صاف کیا گویا پانی سے دھویا گیا ہے۔ آپ کا یہ کھانا متواتر چھ ماہ کے روزے اور متصل چھ روز کی بے غذائی کے بعد پہلا کھانا تھا۔

مختصر یہ کہ کھانا کھانے کے بعد حضرت موہڑہ شریفؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور کہا " اے اللہ! جیسے اس بندے نے میرے برتنوں کو صاف کیا ہے،

اسی طرح میرے باطن میں جو علوم ہیں اس کے باطن میں ودلیعت فرما، تاکہ میری تمام روحانی دولت لے کر یہاں سے جائے۔" اس کے بعد ان کو رخصت فرمادیا۔ اور آپ اسی مسجد میں آکر اپنے وظائف میں مشغول ہو گئے۔

خلوصِ طلب

دوسرے دن بھی حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے آپ کو دربار میں بلایا اور قریب بٹھا کر بے انتہا شفقت و محبت سے پوچھا۔

"آپ کس ارادے سے یہاں آئے ہیں؟"

"خود شناسی اور خدا شناسی کے لیے!"

"میاں دیکھو، اس پہاڑی مقام میں آرام اور آسایش کا کوئی سامان نہیں ہے اور انسانی ضروریات کے لوازمات یہاں مفقود ہیں۔ یہاں زیادہ عرصہ قیام کرنا آسان نہیں ہے تم نے دولت و حکومت و نیابت کی نعمتوں میں زندگی گزاری ہے اور آرام و آسایش کے مزے چکھے ہیں۔ یہاں قیام کرنے میں تمھیں مصیبت و تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔ اور تم گھبرا جاؤ گے۔ اگر آرام و آسایش چاہتے ہو تو کہیں آبادیوں اور شہروں میں جگہ تلاش کرو۔ اور اگر رنج و بلا اور مصیبت و ریاضت میں گرفتار ہونا چاہتے ہو تو اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہے۔"

اس گفتگو میں آپ کا لب و لہجہ اور اندازِ کلام اس درجہ شیریں اور لطیف تھا کہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ مسافرت کی تمام رنج و کلفت اور بلا و مصیبت کی یادیں دفترِ خیال سے بالکل محو ہو جاتی تھیں۔ حضرت صاحب نے جواب دیا:۔

"اگر ہمارا مقصود اس جگہ حاصل ہوتا ہے تو تمام دشواریاں، مشکلیں اور مصیبتیں عینِ راحت و آرام ہیں۔ اور اگر مقصود و مطلوب کسی دوسری جگہ ہے تو آپ ہی ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہم وہاں جا کر اُسے حاصل کریں۔"

حضرت قبلہ موہڑہ شریفؒ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا :-

"وہ خضر علیہ السلام جو تمھیں راستے میں ملے تھے اور یہاں کا راستہ بتایا تھا، انھوں نے ہم سے تمھاری سفارش کی ہے۔ اس لیے میں تمھیں مرحبا کہتا ہوں اور تمھاری ہمت و استقلال پر مبارک باد دیتا ہوں۔ بیشک یہاں ٹھہرو اور جو کچھ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پہنچے اُس پر راضی بہ رضا اور صابر و شاکر رہو۔" پھر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔ اور خاموش دعا کے بعد فرمایا ـــــ "تمھارے پاس کیا ہے؟"

"ایک قرآن، ایک کتاب مثنوی، ایک سیاہ کمبل اور چار روپیہ!"

"ٹھیک، قرآن و مثنوی کو الماری پر رکھ دو، کمبل اپنے پاس رکھو اور روپیہ ہمیں دیدو!"

حضرت صاحب نے بہ امتثالِ امر قرآن و کتاب الماری پر رکھی اور چار روپیہ ادب کے ساتھ پیش کر دیا۔ حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے روپیوں کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور اپنے چھوٹے صاحبزادے سلطان صاحب سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا :

"دیکھو، ان دو روپوں میں ایک اصلی ہے یہ تمھارا ہے اور یہ ایک نقلی ہے یہ ہمارا ہے۔ جاؤ اپنے اس عزیز مہمان کا خیال رکھنا۔ یہ حرم خانہ کے نزدیک جو کمرہ ہے وہ ان کو دے دو۔ ان کے کھانے پینے اور ان کی بود و باش کا سارا انتظام تمھارے ذمّہ ہے۔ اِن کے اس ظاہری حال کو نہ دیکھنا، یہ اپنی حکومت و امارت اور آرام و راحت کو لات مار کر اور بڑی مصیبتیں اُٹھا کر یہاں آئے ہیں۔ اور حق کی جستجو میں طلب صادق رکھتے ہیں۔ ہمیشہ ان کی عزت کرنا۔ یہ بھی تمھاری طرح ہمارے فرزند ہیں۔ اور ہماری دولت میں ان کا بھی حصّہ ہے۔

سلطان میاں نے اصلاح اور غسل کے بعد آپ کو آپ کے شایان ایک اچھا لباس پہننے کے لیے دیا اور بموجب حکم وہ کمرہ آپ کے رہنے کے لیے آراستہ کر دیا۔ وہ اپنی نوعمری کے باوجود اعلیٰ حضرت کے فرمان کے مطابق ہمیشہ ہر طرح کا خیال رکھتے تھے۔

تخاطب

ابتداءً حضرت قبلہ موہڑہ شریف حضرت صاحب کو ایرانی شاہ صاحب کہہ کر مخاطب فرماتے تھے۔ لیکن چند ماہ کے بعد پیر ایرانی شاہ صاحب کہہ کر مخاطب فرمانے لگے۔ اور حضرت صاحب بھی اپنے حرکات و سکنات و کلمات میں بہ تمام و کمال تعظیم طالبانہ اور آداب مریدانہ ملحوظِ خاطر رکھتے تھے۔ جب تک بلائے نہ جاتے دربار میں حاضر نہ ہوتے۔ اور حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ اکثر و بیشتر حاضری کا حکم فرماتے اور مشفقانہ الطاف و توجہ اور مخصوص تعلیمات و ارشادات سے فیضیاب فرماتے تھے۔

یہ بات بھی کسی کرامت سے کم نہ تھی کہ حضرت صاحب، باوجودیکہ مروجہ زبان اُردو اور پنجابی سے آشنا نہ تھے، لیکن حضرت قبلہ کے تمام سوالات، اشارات اور تعلیمات کو اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور دستور کے مطابق اچھی طرح عمل میں لاتے تھے۔ اور اُن کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو صحیح معانی اور شک سے مبرّا مطالب کے ساتھ درک فرما لیتے۔ جیسے اُن کے دل میں کوئی غیبی مترجم ان کی مادری زبان میں ترجمہ کر لیتا ہو۔

مسِ قابل

یہ ایک ایسی بیّن قابلیت تھی جو حضرت موہڑہ شریف کے حضور میں پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اور انھوں نے محسوس کر لیا کہ یہ مسِ قابل اکسیر گر کی ادنیٰ توجہ سے خالص سونے میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حاضرینِ دربار ہی نہیں بلکہ آپ کے وہ مخصوص خلفا جو چالیس سال آپ کے دربار میں ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ زندگی گزار چکے تھے متحیر ہو جاتے تھے کہ جب آپ کے مشکل سوالات کا کوئی جواب نہ دے سکتے اور مطالب کی وضاحت سے

مجبور ہو جاتا، تو حضرت پیر ایرانی صاحب آسانی سے اُسے حل فرما دیتے۔ اور ایسے موقع پر حضرتِ قبلہ موہڑہ شریف اظہارِ خوشنودی فرماتے اور بہت تعریف کرتے۔ اور فرماتے ـــ " میں اسّی سال سے یہاں مقیم ہوں، یہ میرے دوسرے مرید ہیں جو میری کیمیا گری کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور ساعۃً بعدَ ساعۃٍ تیزی کے ساتھ اپنا رنگ اور وزن تبدیل کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ پہلے مرید جو یہاں آئے تھے بہت جلد کمالات حاصل کر کے کامیاب و بامراد چلے گئے"۔ وہ عرصہ تک بمبئی میں ارشاد و ہدایت کا کام سرانجام دیتے رہے۔ اور آخر وہیں اُن کا وصال ہو گیا۔

حضرت موہڑہ شریف اپنے مریدوں کو ابابیل سے تشبیہ دیتے اور فرماتے کہ جب موسمِ گرما شروع ہوتا ہے تو ابابیلیں یہاں آجاتی ہیں گھونسلے بناتی اور بچوں کی پرورش کرتی ہیں اور جب موسمِ سرما، یعنی برف باری کا زمانہ آتا ہے تو اس کوہستانی علاقہ سے نکل کر نشیبی مقامات میں چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہاں کی سردی اور برف باری ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔

اصطفائیت

حضرتِ قبلہ موہڑہ شریفؒ کی اِن عنایتوں اور نوازشوں کی وجہ سے جو آپ حضرت صاحب پر فرماتے تھے بعض لوگوں نے حسد کرنا شروع کیا اور دربار میں شکایت کرنے لگے کہ شاہ صاحب کھانے کے وقت لنگر خانے میں نہیں آتے ہیں، نہ لکڑیاں لانے کے لیے جنگل میں جاتے ہیں اور سب سے بے تعلق رہتے ہیں وغیرہ۔ تو حضرتِ قبلہ قدس سرہٗ جواب دیتے ـــ " جاؤ جاؤ، تمام مریدین لنگر خانے کے انتظام اور لکڑیاں لانے کے لیے کافی ہیں۔ یہ ایک انسان میرا مہمان ہے۔ یہ تمھارا کام نہیں کرے گا، مگر تمھارے لنگر میں اس کا حق ضرور ہو گا۔

ایک روز صاحبزادوں نے ایک مکان کی تعمیر کے سلسلے میں جہاں مزدور اور مریدین مٹی گارا پتھر وغیرہ کا کام کر رہے تھے، حضرت صاحب کو بھی بلا کر کام پر لگا دیا۔ اور آپ ان لوگوں کے ساتھ اس محنت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت مرشدِ گرامی کو پہنچی کہ ایرانی شاہ صاحب

مزدوروں کے ساتھ تعمیر کے کاموں میں مصروف ہیں تو فوراً ایک آدمی کو بلانے کے لیے بھیجا۔ ابھی آپ روانہ نہیں ہونے پائے تھے کہ دوسرا آدمی حکم طلبی لے کر پہنچ گیا۔ اور پہنچتے پہنچتے تیسرا آدمی بھی آگیا کہ جلدی چلو سرکار یاد فرماتے ہیں۔

جب حضرت صاحب دربار میں پہنچے، آدابِ آستاں بوسی کے بعد تخت کے قریب کھڑے ہوئے تو حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے پوچھا ـــ "کیا کر رہے تھے؟"

حضرت صاحب نے جواب دیا۔" فلاں صاحبزادے کے حکم سے عمارت کا کام کر رہا تھا"۔

فرمایا۔" تم ان کاموں کے لیے نہیں آئے ہو۔ تم کو خدا نے میرے لیے بھیجا ہے۔ بیٹھو! اور صرف میرا حکم بجا لاؤ۔ کسی کا حکم ماننے کی ضرورت نہیں"۔

انھی ابتدائی ایام میں یاغستان کے علما اور سرداروں نے وہاں کی روحانی سلطنت کے لیے حضرت پیر ولیعہد یعنی پیر نذیر احمد صاحب کو دعوت دی تھی اور حضرت قبلہ موہڑہ شریف نے بہت سے مریدوں کے ساتھ اُن کو وہاں روانہ کر دیا۔ اور پیر ثانی صاحب بھی وہاں تشریف لے گئے۔ کچھ روز کے بعد پیر ثانی صاحب نے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص اور پیر ایرانی شاہ صاحب کو یہاں آنے کی اجازت دی جائے۔ آپؒ نے حضرت صاحب کو جانے کی اجازت نہ دی بار بار آدمی آتا تھا اور اُن کو لے جانے کی درخواست کرتا تھا۔ آپ منظور نہ فرماتے تھے۔ آخر فرمایا۔ "جاؤ ولیعہد اور پیر ثانی صاحب سے کہہ دو کہ تم جس جس آدمی کو لے جانا چاہو لے جاؤ۔ مگر پیر ایرانی شاہ کو میرے لیے چھوڑ دو"۔ آپ نے پیہم اصرار کے باوجود حضرت صاحب کو نہ جانے دیا۔ اور حضرت صاحب سے بھی فرما دیا کہ تمھیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔

تدریسی خدمات

اس چار سال کی مدت میں حضرت صاحب اسی اعزاز و افتخار کے ساتھ ریاضات و مجاہدات اور شغل و مراقبات میں یکساں جمعیت کے ساتھ

منہمک رہے۔ اس کے علاوہ صاحبزادوں کی تعلیم اور بچوں اور بچیوں کی تہذیبی اور تمدنی تربیت آپ کے سپرد تھی اور بڑی خوبی کے ساتھ آپ نے انجام دی۔ ابتداً یہ بچے حضرت صاحب سے مانوس نہ تھے اور قریب آتے ہوئے گھبراتے تھے حضرت صاحب نے انتہائی پیار و محبت اور نقل چنے وغیرہ کی لالچ اور بہانے سے اُن کو مانوس کیا اور فارسی عربی کتابیں پڑھائیں حساب اور املا لکھنا سکھایا۔ یہی نہیں، بلکہ آپ ہمہ اوقات قریب رہتے ہوئے اہلِ حرم اور بچوں کی عزت و حرمت کے محافظ بھی تھے۔ کسی کو مجال نہ تھی کہ اس طرف سے گزر جائے یا خلافِ ادب کسی پر نگاہ ڈالے آپ کے چہرے پر ایسا رعب و جلال برستا تھا کہ کسی کو بات تک کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

شیطنت کا ازالہ

ایک دن دربارِ موہڑہ شریف کے ایک محترم خلیفہ نے آپ کے کمرے کے سامنے ایک چھوٹے بچے سے مذاقاً نازیبا کلمات کہہ دیے سنتے ہی حضرت صاحب اپنا مضبوط عصا لے کر باہر نکل آئے اور آتے ہی دو چار ہاتھ ایسے رسید کیے کہ عصا ٹوٹ گیا۔ آپ تو اپنے کمرے میں آ کر خاموش بیٹھ گئے مگر اس خلیفہ نے گریہ و زاری سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ جو سنتا تھا اُسی کی طرفداری کرتا اور حیرت و افسوس میں ڈوب جاتا۔ آخر سب لوگ اُسے دربار میں لے گئے اور اُس نے شکایت کی کہ ایرانی شاہ صاحب نے بے قصور مجھے مارا ہے صاحبزادے دوڑے ہوئے حضرت صاحب کے کمرے کی طرف آئے دیکھا کہ آپ جمعیتِ خاطر کے ساتھ مراقب ہیں کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی اُن سے سوال کرتا اور حقیقت پوچھتا۔ حضرت قبلہ موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے اسی وقت عام دربار کا حکم فرمایا۔ جب وہ خلیفہ بے تاب و بے قرار روتے ہوئے تخت کے قریب پہنچا۔ . . اور خود کو بے گناہ اور مظلوم ثابت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ایرانی شاہ صاحب نے ایسا مارا ہے کہ عصا ٹوٹ گیا۔ حضر قبلہ نے آپ کو دربار میں طلب فرمایا۔ ہمارے حضرت صاحب معمول کے موافق ادب و سنجیدگی کے ساتھ تشریف لائے اور تخت کے قریب کھڑے

ہوگئے۔ حضرت قبلہ نے مہربانی اور شفقت کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور تھوڑی دیر خاموش رہے پھر پوچھا ۔ "کیا تم نے اس کو مارا ہے ؟"

"میں نے اس شخص کو نہیں مارا ہے" حضرت صاحب نے جواب دیا۔

"یہ شکایت کرتا ہے کہ ایرانی شاہ صاحب نے مجھے ایسا مارا ہے کہ عصا ٹوٹ گیا۔"

"میں نے اس کو نہیں اس کے شیطان کو مارا ہے جو اس پر سوار ہو گیا تھا۔ اور میں نے اپنا عصا توڑ کر اُسے بھگا دیا ہے۔"

حاضرین دربار ہنسنے لگے اور حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے بھی تبسم فرمایا اور کہا۔

"لو اب شیطان بھاگ گیا ہے تو آؤ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤ۔"

حضرت صاحب فوراً کھڑے ہو گئے اور خلیفہ صاحب کو سینے سے لگا لیا اور بڑی محبت کے ساتھ معذرت کی۔ خلیفہ صاحب چونکہ آزردہ تھے اس لیے انھوں نے سُستی کے ساتھ مروت کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے بعد نامناسب کلمات کہنے اور مذاق کرنے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی۔ اور اخلاقیات و روحانیات میں روز افزوں ترقی کرنے لگے۔ وہ خلیفہ صاحب بہت دنوں تک حضرت صاحب کی خدمت میں آتے تھے اور اکثر اقرار کرتے تھے کہ میں تو آپ کے عصا کا تربیت یافتہ ہوں۔ وہ بڑے مرد بزرگ اور صاحب مرتبہ ہوئے اور بہت جلد حیات دنیاوی پوری کر کے رحمت ایزدی سے پیوستہ ہو گئے۔ حضرت صاحب اکثر ان کے علوئے درجات اور رحمت و مغفرت کی دعا فرماتے ہیں۔

جہاد بالنفس حضرت صاحب نے سلوک کے دَوران وہ وہ مجاہدات و ریاضات اختیار کیے کہ عام سالکین اس کی ہمت و جرأت نہیں کر سکتے۔ اکثر آپ بطورِ خود نیت فرماتے کہ چالیس روز یا اتنا عرصہ پانی کا ایک گھونٹ نہیں پیئں گے۔ اور بہر حال اپنی نیت پوری

کرتے۔ کیونکہ نیت کرنے کے بعد نفل بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اکثر آپ مہینوں غذا سے مطلقاً ہاتھ روک لیتے اور نفس کے تڑپنے اور گریہ وزاری کرنے کا تماشہ دیکھتے تھے۔ مثلاً: ایک مرتبہ عرصۂ دراز سے آپ نے متواتر روزے کی نیت کی ہوئی تھی۔ اُس وقت حضرت موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا تھا کہ ہمارے کتب خانہ سے کتابیں لے کر مطالعہ کیا کرو۔ ایک دن حضرت صاحب نے الماری سے ایک کتاب نکال کر کھولی تو اس میں سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا ملا۔ معاً نفس نے تقاضا کیا کہ "یہ میرا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے صرف میرے لیے کیا جانے کب سے محفوظ رکھا ہے۔"

حضرت صاحب مسکرائے اور نفس کو جواب دیا۔ "ٹھیک ہے، یہ تمھارا حصہ ہے اور صرف تمھارے لیے خدا نے اس کو محفوظ رکھا ہے۔ لیکن میں تمھارے لیے اس کو حرام کر چکا ہوں۔ اس لیے تمھارا حصہ بھی تم کو نہیں دیا جائے گا۔"

پھر نفس نے دلیل دی۔ "مومن کو خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرنے کا اختیار نہیں۔ آپ میرا حصہ مجھے دیجیے۔"

آپ نے فرمایا۔ "حلال و حرام کا قضیہ ہم خوب سمجھتے ہیں۔ سالک کسی حلال چیز کو دوسروں کے لیے حرام نہیں کر سکتا۔ لیکن جس چیز کو وہ اپنے اوپر حرام کر لے وہ حرام ہو جاتی ہے۔"

نفس نے پھر گریہ وزاری کے ساتھ تقاضا کیا اور کہا۔ "اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر میرا حق مقرر کیا ہے۔ میرا حق ادا کرو۔ ورنہ قیامت میں دامن پکڑوں گا۔"

فرمایا۔ "تو زندگی بھر اپنے جائز حق پر صابر و قانع نہیں رہا۔ تو نے ہمیشہ اپنے حق سے زائد طلب کیا اور حاصل کرتا رہا۔ اب جب تک اِن زوائدات کی مقدار برابر نہ ہو جائے گی تیرا کوئی حق ہمارے ذمہ واجب الادا نہیں ہے۔"

پھر نفس بولا — "یہ تمھارا سراسر ظلم ہے۔ میں نزع کی حالت میں پہنچ گیا ہوں۔ اگر مر گیا تو خودکشی اور خونِ ناحق کا الزام تم پر عائد ہوگا۔"

آپ نے فرمایا "اے دشمنِ لعین، تو نے زندگی بھر ہمارے اوپر ظلم کیا اور ہماری روح کو نزع کی حالت میں رکھا ہے۔ ہم تجھ پر ظلم نہیں کرتے اپنے ظلم کا بدلہ لیتے ہیں۔"

نفس پھر بھی خاموش نہ ہوا۔ بولا — "انتقام لینے والے کے مقابلے میں معاف کرنے والے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔" حضرت صاحب کو طیش آگیا۔ فرمایا۔ ؎

نکوئی با بداں کردن چناں است　　　که بد کردن بجائے نیک مرداں

ترجمہ

بھلائی ہے بروں کے ساتھ ایسی　　　کہ جیسے نیک لوگوں سے برائی

اس پر بھی نفس خاموش نہیں ہوا۔ اور برابر الحاح وزاری سے التجائیں کرتا رہا۔ لیکن حضرت صاحب نے اس کتاب کو اسی طرح بند کر کے الماری میں رکھ دیا۔ اللہ غنی! - اِس نفس لعین سے مقابلہ کرنا، اور اس کے مکر سے بچ نکلنا کس قدر دشوار ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے ہی موقعوں پر پیر کی روحانیت سہارا دیتی ہے اور سالک نفس پر غالب آکر اُس کے مکر و خباثت سے صاف بچ نکلتا ہے۔

جاسوسوں کی ناکامی

ایران سے آئے ہوئے جاسوس برطانوی جاسوسوں کے ساتھ مل کر حضرت صاحب کی تلاش میں پھیلے ہوئے تھے خفیہ اطلاعات اور خطوط وغیرہ کے نشانات پا کر موہڑہ شریف تک پہنچ گئے۔ اس وقت ہمارے حضرت صاحب دربار میں موجود تھے جب وہ جاسوس آئے اور حضرت صاحب کی تصویر حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ کو دکھا کر عرض کیا "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ صاحب، جن کی یہ تصویر ہے

اس کوہستان میں موجود ہیں۔ چونکہ یہ فوجی افسر ہیں اور شاہِ ایران کو مطلوب ہیں اس لیے آپ ہماری رہنمائی فرمائیے کہ انھیں بہ موجبِ حکمِ سلطنتِ برطانیہ ایران پہنچا دیں۔

حضرتِ قبلہ موہڑہ شریفؒ نے وہ تصویر دیکھ کر حضرت صاحب کو دیدی اور جاسوسوں سے فرمایا کہ تم خود تلاش کر لو کہ یہ صاحبِ تصویر کون ہے۔ جہاں کہیں تم کو ملے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اور حضرت صاحب سے ایک جاسوس کے متعلق فرمایا کہ ان کو اپنے ہمراہ لے جاؤ اور سلوکِ طریقت کے رسم و رواج سے متعارف کرو۔ حضرت صاحب نے کئی گھنٹہ روحانیات میں گفتگو کی اور بعض عارفانہ نکات سمجھائے۔

اِن جاسوسوں نے تمام موجود حاضرین کو اس تصویر سے ملانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ حضرت صاحب کو نہیں پہچان سکے۔ حالانکہ وہ اس یقین کے ساتھ آئے تھے کہ وہ اسی کوہستان میں موجود ہیں۔ آخر بے نیلِ مرام واپس چلے گئے۔

سفر بہ ایران

چار سال کے بعد ایک رات حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے حضرت صاحب کو بلا کر فرمایا ”دو سلسلوں (نقشبندیہ اور سہروردیہ) میں آپ کی تعلیم پوری ہوئی اور آپ نے ان میں کمال حاصل کر لیا۔ اور ابھی دو سلسلوں کا سلوک ناتمام ہے میں نے چاہا تھا کہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں کمال حاصل کرنے اور کمال تک پہنچانے کے قابل ہو جانے کے بعد رخصت کروں۔ لیکن آپ کی والدہ اور چھوٹی بہن کا رنج و غم اور سوز و گداز جو آپ کی جدائی میں انھیں لاحق ہے، اتنا بڑھ گیا ہے کہ میں اُسے برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ ہر وقت میرے سامنے موجود نظر آتی ہیں اور بہت ہی مضطر و بے تاب ہیں۔ میں انھیں اس حال میں دیکھ کر بڑی تکلیف اُٹھاتا ہوں۔ اب تم ایران جاؤ اور اپنی ماں اور بہن کو خوش کرو۔ اگر خدا کے حکم سے واپس آؤ گے تو باقی دو سلسلوں (چشتیہ و قادریہ) میں بھی کمال حاصل کر لینا۔ میں تمھیں طریقت

نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔" اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کے سلسلہ میں خاص دستور عنایت فرمائے۔

جب صبح ہوئی تو انھوں نے حضرت صاحب کو عام دربار میں طلب فرمایا اور زادِ راہ عنایت فرما کر بڑی شفقت و محبت سے رخصت کر دیا۔ آپ کے ساتھ بہت سے لوگ مری تک اور بعض راولپنڈی تک آئے اور "خدا حافظ" کہنے کے بعد واپس موہڑہ شریف چلے گئے۔"

راولپنڈی سے کوئٹہ آئے تو وہاں ایرانی کونسل میں ایک پرانے شناسا افسر نے آپ کے پاسپورٹ کو دیکھ کر پہچان لیا اور بڑی خوشی اور اصرار کے ساتھ دو روز اپنے یہاں مہمان رکھا اور پاسپورٹ میں تازہ اندراجات کرنے کے بعد آپ کو ایران روانہ کر دیا۔ جب آپ مشہدِ مقدس میں تشریف لائے تو حضرت شاہ رضا کے متولی صاحب نے کئی روز آپ کو اپنے یہاں مہمان رکھا۔ اور بڑی خاطر و مدارات سے پیش آئے۔ وہاں سے آپ نے اپنے پیر سابق حضرت شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی کہ میں ایران میں آگیا ہوں اور فلاں روز آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ حضرت شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے خاندان میں یہ اطلاع پہنچا دی کہ مصطفٰے شاہ فلاں روز یہاں پہنچ جائیں گے۔

اس مژدۂ جانفزا نے خاندان کے افراد میں زندگی اور فرحت و سرور کی ایک لہر دوڑا دی۔ آپ کی ہمشیرہ اور والدہ نے جو آپ کے فراق میں مردہ دل اور افسردہ ہو چکی تھیں از سر نو زندگی پائی اور اس خوشی و تواجد میں آپے سے باہر ہو گئیں اور بے چینی کے ساتھ وقتِ مقررہ کا انتظار کرنے لگیں۔ کیونکہ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک | آتشِ شوق تیز تر گردد

ترجمہ: وصل کا وعدہ قریب آتا ہے جب | شوق کی آگ اور ہو جاتی ہے تیز

تہران میں وُرود

اپنی اطلاع کے مطابق ۱۹۳۴ء میں حضرت صاحب تہران میں پہنچے اور اپنے قدومِ میمنیت لزوم کی برکت سے وطن کی سرزمین کو مشرف فرمایا۔ آپ سب سے پہلے اپنے پیرو مرشد کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ باوجودے کہ حضرت شمس العرفا رحمۃ اللہ علیہ بسترِ علالت پر دراز اور کمزور ہو گئے تھے، لیکن آپ کو آغوش پھیلا کر سینے سے لگا لیا اور زور سے دبا کر فرمایا۔ "خوش آمدید۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ الحمدللہ آپ کامیاب اور بامراد واپس آئے"۔

اطلاع ملتے ہی خاندان کے افراد فوراً آئے اور آپ کے شایانِ شان عزت و احترام کے ساتھ بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے مکان میں لے آئے۔

از نورِ جمالش در و دیوار منور	وازبوے وصالش دل و جاں گشت معطر
گفتار و تقاریر سحر لستہ سماعت	وازمرتبتِ شان کرامت شدہ اظہر

ترجمہ

روشن ہوئے انوار سے ایسے در و دیوار	دل شاد ہوا جان ہوئی وصل سے سرشار
جادو تھا کلام آپ کا تسخیر تھی گفتار	تھا شانِ کرامت کا ہر اک بات میں اظہار

تمام افرادِ خاندان اور دوست احباب جو آپ کے دیدارِ پرانوار سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے آتے تھے وہ آپ کے جلال و کمال کو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے اور تعریفیں کرتے ہوئے واپس لوٹتے تھے۔ سر پر پیران و مشائخ کی طرح دستار تھی۔ آپ کے گھونگھریالے گیسوئے مشکین و عنبریں رحمت کی گھٹاؤں کی طرح شانوں تک چھائے ہوئے۔ چہرہ گلاب کے پھول کی طرح دمکتا ہوا اور ایک سفید چادر احرام کی طرح لپیٹے ہوئے، نہایت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ اکثر و بیشتر خاموش مراقبہ میں غرق بیٹھے رہتے۔ بہت کم باتیں کرتے تھے۔ تمام رات عبادت و

نماز اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور تعقل و تفکر میں بسر کرتے تھے۔ خاندان کا ایک ایک فرد آپ کو دیکھ کر نہایت مسرور و شادمان تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑی کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہو۔

حضرت صاحب نے حکم فرمایا کہ عرصہ دراز سے اس خاندان میں خوشی اور شادی کے مراسم موقوف ہو گئے ہیں، اب دوبارہ جاری کیے جائیں۔ پھر تو ایسی خوشیاں منائی گئیں کہ دُور و نزدیک کے رشتہ دار چھوٹے بڑے اپنے اور پرائے ان خوشیوں میں شریک ہو کر تلافیِ مافات میں مصروف ہو گئے۔ اور ہر ایک کے چہرے پر ایسی خوشی برسنے لگی جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ لیکن آپ کا دل اپنے پیر و مرشد کی مفارقت میں رنجیدہ اور کمھلایا ہوا رہتا تھا جیسے دودھ پیتا بچہ اپنی مادرِ مہربان کی گود سے جدا ہو کر بے تاب و بیقرار رہتا ہے۔

کرامت کچھ روز کے بعد آپ نے اپنے فوجی حکام کو اپنے آنے کی اطلاع دی تو وزارتِ جنگ نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ وہ گم شدہ فوجی افسر جس کی چار سال سے تلاش تھی تہران میں آگیا ہے اور اپنے خاندان میں موجود ہے تو اعلیٰ افسران کی طرف سے حکم صادر کیا گیا کہ ان کو فوجی عدالت میں حاضر کیا جائے۔ حضرت صاحب بے تامل اور بے تکلف ان کے سامنے تشریف لائے۔ لیکن جیسے ہی اُن افسران کی نظر آپ پر پڑی بے اختیار احتراماً کھڑے ہو گئے۔ اور حیرت و تعجب کے ساتھ آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ اور بڑے اعزاز و اکرام سے اپنے پاس بٹھا کر معذرت کی اور کہا۔

"ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ نے تلاشِ حق کا یہ راستہ اختیار کیا ہے اور ایسے بلند مقام پر فائز ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اب حکومتِ مجاز کو آپ سے کوئی تعرض نہیں۔ آپ آزاد و خود مختار ہیں۔ جہاں چاہیں قیام کریں اور جہاں چاہیں جائیں آپ سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی۔ آپ ہماری طرف سے معذرت قبول کریں۔ کیونکہ نادانستگی میں

ہم سے بے ادبیاں سرزد ہوگئی ہیں۔" غرض اس طرح دوستانہ اور موافقانہ ماحول میں گفتگو اور اظہارِ عقیدت کرنے کے بعد آپ کو رخصت کردیا۔

وصال حضرت شمس العرفاءؒ

سات ماہ کے بعد حضرت صاحب کے پہلے رہنما اور پیر یعنی حضرت شمس العرفاءؒ نے جو بستر علالت پر دراز تھے اپنے خادموں سے فرمایا۔ "جاؤ، اور میرے (روحانی) بیٹے وفا علی کو بلا کر لاؤ۔ وہ حضرت صاحب کو وفا علی کے نام سے خطاب کرتے تھے۔ جب حضرت صاحب وہاں پہنچے تو انھوں نے ان کو سینے سے لگا لیا۔ دیر تک دبائے رکھا اور کہا :-

"میرا آخری سفر درپیش ہے۔ میں اپنی ان آخری سانسوں میں اپنے باطنی خزانوں اور روحانی دولت کو تمھیں سپرد کرتا ہوں۔ تم ابتدائے سلوک ہی سے میرے وارث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اہلیت و استعداد اور صلاحیتِ تامّہ تم کو عطا فرمائی ہیں وہ کسی اور میں نظر نہیں آتیں۔ تم اس باطنی دولت کی حفاظت کرنا اور خلقِ خدا کو اس کے فیوضات سے محروم نہ رکھنا۔ جاؤ، خدا تمھارا حافظ و ناصر ہے۔"

حضرت شمس العرفاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلمات کچھ ایسے مؤثر انداز میں فرمائے کہ تمام مریدین اور حاضرینِ وقت نے حضرت صاحب کے علوئے مرتبت اور بلند و بالا درجات کو جان لیا اور نہایت عزت و احترام سے پیش آنے لگے۔

جب آقائے شمس العرفاء رحمۃ اللہ علیہ اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛ تو اُن کے تمام مریدوں اور خادموں نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ جب حضرت پیر و مرشد نے آپ کو اپنا وارث بنایا ہے اور اپنی دولت سے نوازا ہے تو اب آپ اُن کے جانشین بن کر

ان کی مسندِ خلافت پر بیٹھیے اور اُن کی جگہ ہدایت و ارشاد کا کام سرانجام دیجیے۔" لیکن حضرت صاحب نے قبول نہ کیا اور فرمایا۔ "مجھے ابھی ایک دوسری مہم درپیش ہے اور واپس ہندوستان جانا ضروری ہے۔ تم اس کام کے لیے کسی اور شخص کو منتخب کرو۔ جو یہاں اطمینان سے بیٹھ کر اس خدمت کو انجام دے سکے۔

مادرِ مہربان کی اجازت

حضرت شمس العرفا کے وصال کے بعد ہمارے حضرت صاحب اپنے دوسرے پیر (یعنی حضرت موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ) کی مفارقت میں بے چین و بے قرار تھے اور طلبِ انوار کی پیاس نے ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ رات سے دن اور دن سے رات گزارنا دشوار ہو گیا۔ ہر وقت یہی ایک فکر تھی کہ کب موہڑہ شریف کے لیے روانہ ہو جائیں اور ہوا میں اُڑ کر دربار شریف میں پہنچیں اور اپنی پیاس بجھائیں۔ ابھی ایران میں آئے پورا ایک سال نہیں ہوا تھا کہ ایک دن اپنی والدہ مرحومہ کے پاس جا کر اُن کی گود میں سر رکھ دیا اور کہا:۔

"اماجان، مسافر کے کیلئے رُکنا اور سالک کے لیے سونا حرام ہے۔ اور بہرحال مجھے موہڑہ شریف پہنچنا ہے اس لیے آپ مجھے اجازت دیجیے کہ اب روانہ ہو جاؤں۔ میں آپ کی رضا اور اجازت کے بغیر قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اور میری پیاس بڑھتی جا رہی ہے۔ بس آپ اجازت دے دیجیے کہ فوراً روانہ ہو جاؤں اور اپنا کام انجام دوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لیے پیدا کیا ہے اور عدم کے لیے وجود میں لایا ہے۔ آپ اپنی رضا کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دیجیے اور مجھ سے ہاتھ اُٹھا لیجیے۔"

یہ سنتے ہی مادرِ مہربان بے قرار ہو گئیں اور گھٹی ہوئی آواز میں کہنے لگیں۔ "بیٹے، ابھی تم ایک ماں کے دل کا حال نہیں جانتے۔ ہم تمھیں کس طرح اپنا دل چیر کر دکھائیں۔ اِس

چار سال کی جدائی نے زندہ درگور کر دیا ہے۔ اب پھر کہتے ہو کہ میں تم سے ہاتھ اُٹھا لوں ___ اور جیتے جی صبر کر لوں"۔ یہ کہتے کہتے رونے کے اثر سے اُن کی آواز رک گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔

مامتا اور امتحان

یہ بڑا مشکل وقت تھا۔ ایک طرف تو مامتا بھری ماں کے دل کے ٹکڑے آنسو بن کر آنکھوں سے نکل رہے تھے اور دوسری طرف خود اُن کا دل روحانی پیاس کی گرمی سے جل بھُن رہا تھا۔ ایسے وقت میں حضرت صاحب نے پہاڑ کی طرح اٹل ثابت قدمی سے کام لیا اور بلکتی ہوئی ماں کی تسکین و تسلّی کے لیے فرمایا۔

"اماجان، دیکھیے تو، اگر آپ کے یہ آنسو میرے راستے میں سیلاب بن گئے اور آپ کی محبت حصولِ مقصد کے درمیان دیوارِ حائل ہو گئی تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں خدا کے راستے پر اتنا آگے بڑھ جانے کے بعد واپس لوٹ آؤں اور مامتا کے قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھ جاؤں۔ اماجان، یہ بات آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ آپ یا تو اپنی ہی خدمت لے لیجیے یا خدا کی بندگی اور خدمتِ خلق کے لیے مجھے آزاد کر دیجیے ___ بہتر یہی ہے کہ یہ تھوڑے سے دن کی زندگی دردِ مہجوری میں گزر جائے اور دائمی وصال حاصل ہو۔"

محترمہ والدہ صاحبہ تو خود ہی گوشہ نشینی اختیار کر چکی تھیں اور عبادت و اذکار اور مراقبہ و مواظبہ کی لذت سے آشنا تھیں۔ حضرت صاحب کے عارفانہ کلام سے دفعتہً سنبھل گئیں اور کلیجے پر پتھر رکھ کر اپنے عزیز فرزند کو خدائے واحد کی راہ میں آزاد کر دیا۔ اور فرمایا:

"خیر، خدا کی یہی مرضی ہے تو جاؤ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے بیعت کر کے مجھے روحانی تعلیم دیتے جاؤ تا کہ تمھارے فراق میں خدا کے وصال کا سہارا مل جائے۔"

اسی وقت حضرت صاحب نے والدہ محترمہ کو بیعت سے سرفراز فرمایا اور ذکرِ خفی کی

تعلیم دی۔ اور رخصت ہو کر چلے آئے۔

ہمشیرہ کی بیعت

حضرت صاحب کی چھوٹی بہن یعنی یہ راقمۃ الحروف، اس وقت کالج میں پڑھتی تھی۔ اور ابتدا ہی سے خاندانی ماحول کے زیراثر عبادت، ترکِ دنیا اور قربِ محبوبِ حقیقی کی طرف خاصا میلان تھا۔ اور یہ بھی جان چکی تھی کہ اپنے بھائی کے ساتھ رہنے ہی میں یہ روحانی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اس نے بھی مادرِ مہربان سے درخواست کی کہ مجھے بھی خداوندِ ربِّ جلیل کے نام پر روحانی علم حاصل کرنے کے لیے بھائی کے ساتھ جانے کی اجازت دیدیجیے۔ والدہ محترمہ کی خداشناسی اور بزرگی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی اس سب سے چھوٹی بیٹی کو بھی خدا کے لیے آزاد کر دیا۔ اور دنیا کی ہر چیز سے کنارہ کر کے بالکل گوشہ نشینی اختیار کرلی۔

اس کے بعد حضرت صاحب بڑی مسرت و خوشی کے ساتھ اپنی چھوٹی بہن کو لے کر رضائے خداوندی حاصل کرنے کے لیے دوبارہ ہندوستان کے سفر پہ تیار ہو گئے۔ موروثی تمام جائدادِ منقولہ اور غیر منقولہ کو اپنی بڑی ہمشیرہ کے سپرد کیا اور اعزا، اقربا اور احباب سے وداعی ملاقات کی اور وطن کو خیرباد کہہ دیا۔

رجوعِ خلق

حضرت صاحب ۱۹۳۵ء میں شہر تہران سے روانہ ہوئے۔ خواص و عوام کا ایک بڑا گروہ آپ کی مشایعت میں حضرت عبدالعظیم تک آیا۔ وہاں نئے مریدوں کے ساتھ سابق مریدین نے بھی تجدید بیعت کی اور بڑی دل گرفتگی اور تکلف کے ساتھ آپ سے رخصت ہو کر تہران واپس چلے گئے۔ آپ جہاں پہنچتے ہر منزل و مقام پر لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور گروہ در گروہ سلسلہ طریقت میں داخل ہو کر آپ کی تعلیم و دستور سے سرفراز ہوتے۔ اسی طرح کمال عزت و احترام کے ساتھ آپ مقامِ اہواز میں تشریف لائے۔ اور مریدین و معتقدین کے

ایک گروہ کے ساتھ جہاز میں سوار ہو گئے۔ جس کی نظر آپ کے روئے انور پر پڑتی آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اور پروانے کی طرح آپ کے گرد طواف کرنے لگتا۔ جہاز کے مسافروں میں عوام و خواص اور عامی و عالم کے ساتھ جہاز کا عملہ بھی آپ کے حلقۂ ذکر میں شامل ہوتا۔ اور حضرت صاحب کے بیانِ سلوک و معارف سے انوارِ ایمانی حاصل کرتا، اور اپنے کھیل کود اور بیکار مشغلوں کو بھول جاتا۔ جہاز کا یہ سفر معمول کے خلاف آٹھ روز طویل ہو گیا لیکن حضور کی شخصیت نے مسافروں کی دلجمعی میں فرق نہ آنے دیا۔

طوفانِ باد و باران

اتفاق سے ایک دن شدید طوفان کا سامنا ہوا۔ سمندر کی بے پناہ موجیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ جہاز ایک خزاں رسیدہ پتے کی طرح آسمان و زمین کے درمیان تہ و بالا ہونے لگا۔ اور قاہر موجوں کے ساتھ ایسی کروٹیں لینے لگا کہ جہاز کے مسافر حواس باختہ اور دعا و گریہ و زاری میں مصروف ہو گئے جہاز کے عملہ نے اپنے حفاظتی لباس پہن لیے اور "حیاتی کشتیاں" پانی میں اتار دی گئیں۔ لوگ اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگے۔ ہر کروٹ پر معلوم ہوتا تھا کہ اب جہاز غرق ہو جائے گا۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کے رونے چیخنے کی پرشور آوازیں طوفانی گرج چمک کے ساتھ مل کر قیامت کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔ حتیٰ کہ کوہ پیکر موجیں ایک طرف سے عرشۂ جہاز پر اترنے لگیں۔

حضرت صاحب اِس افراتفری اور فریاد و فغاں سے بے خبر مراقبہ میں اس درجہ مستغرق تھے کہ آپ کو اس طوفانی حادثہ کا احساس تک نہ ہوا۔ جب جہاز کے مسافر اور کارگزاران اپنی تدابیر سے ناامید اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو لوگوں نے کپتان کو مطلع کیا کہ ایک بزرگ درویش اس جہاز میں موجود ہیں ان سے امان و خلاصی کی دعا کرانی چاہیے۔ فوراً کپتان اور معززین حضرت صاحب کے پاس آئے اور درخواست کی کہ جہاز کی سلامتی اور طوفان سے نجات پانے کے لیے دعا فرمائیں۔

حضرت صاحب نے اِن سب کو ایک حلقہ میں بٹھا دیا۔ اور تھوڑا تامل فرمانے کے بعد دعا کی کہ :۔

"اے مہربان خدا! یہ تیرے ضعیف و ناتوان بندے اس باد و باراں کی شدت اور طوفان کی تبہ کاریوں کی طاقتِ برداشت نہیں رکھتے۔ رحم فرما! تو رحیم و کریم ہے اس مصیبت سے نجات دے کیونکہ سوا تیرے اور کوئی حافظ و ناصر نہیں۔ ہم اپنے سردار جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کو شفیع لاتے اور جملہ انبیاء، صحابہ، شہدا اور اولیا کا واسطہ دیتے ہیں اس سختی کو ہم پر آسان فرما۔ وَقِیْلَ یَااَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ۔ آمین!"

ابھی تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ مطلع صاف ہو گیا۔ سورج کی منور کرنیں سمندر کے ناپیدا کنار دامن پر مچلنے لگیں۔ اور ہوا کی نرم روی نے بپھرتی ہوئی موجوں کو تھپک کر سلا دیا۔ جہاز ساکن ہو گیا اور سب مطمئن ہو کر اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

کراچی میں وُرود

اس طرح اعلیٰ حضرت آٹھ روز کی تاخیر کے بعد کراچی بندرگاہ پر وارد ہوئے اور وہاں سے ایک خط حضرت موہڑہ شریف کی خدمت میں تحریر فرمایا اور دربار میں حاضری کی اجازت چاہی۔ کراچی کے دو روزہ قیام کے بعد پشاور کے لیے روانہ ہوئے۔ ضلع نوشہرہ زیارت کاکا صاحب میں خانگی انتظامات کے لیے اپنی بڑی ہمشیرہ کے پاس ٹھہرے اور چھ ماہ کے بعد موہڑہ شریف روانہ ہو گئے۔ اس وقت پیر سلطان لہراسپ خاں صاحب کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ کی شادی پیر سید یوسف گیلانی کے ساتھ ہو چکی تھی۔

جب حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ کو حضرت صاحب اور اُن کی چھوٹی ہمشیرہ کے آنے کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے ـــ وہ عرس کا زمانہ تھا۔ حضرت موہڑہ شریف نے اپنے چھوٹے صاحبزادے پیر سلطان صاحب کو حکم دیا کہ جاؤ ہمارے مہمانوں کا استقبال کرو اور اُن کو

احترام کے ساتھ لے آؤ۔ اُن کے ساتھ دیگر حاضرین بھی استقبال کے لیے کوہ مری تک آئے۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے چھپی ہوئی تھیں اور چشمے مادرِ زمین کی آغوش میں سوئے پڑے تھے۔ استقبالی جو خاص نشان لیے ہوئے تھے کلمہ شریف کا ورد کر رہے تھے۔ انھوں نے چھوٹی ہمشیرہ کو اس خاص ڈولے میں بٹھایا جو خواتینِ حرم کے لیے مخصوص تھا۔ اور اس پر زربافت کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور کاندھوں پر اُٹھا کر لے چلے۔

حضرت صاحب ازراہِ ادب پیدل آگے آگے اور سب لوگ پیچھے پیچھے عزو شوکت کے ساتھ کلمہ پڑھتے ہوئے دربار موہڑہ شریف پہنچے۔ حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے ڈولے کو دربار میں لے جانے کا حکم فرمایا اور جنابہ والدہ صاحبہ اور تمام شہزادیوں نے ڈولے کے پاس آکر ہمشیرہ کو اتارا اور ماں بہنوں کی طرح سینے سے لگا کر حضرتِ موہڑہ شریف کی قدمبوسی کے لیے پیش کیا۔ آپ نے اس نووارد دختر کو "کاکی" کے نام سے سرفراز فرمایا اور بڑی مسرت و خوشی کا اظہار کیا۔ نیز مخدّراتِ حرم کو اچھی میزبانی کی ہدایت فرمائی۔ اور عام زائرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ صاحبزادیاں اُن کو حرم سرا میں لے گئیں۔

دوسری ملاقات

جب دروازہ کھلا اور ہمارے حضرت صاحب مع صاحبزادوں اور استقبالیوں کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ مراسمِ آداب بجالاتے تخت کے قریب آئے۔ حضرت موہڑہ شریف رحؒ نے محبت کے ساتھ اُن کو سینے سے لگا لیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے "خوش آمدید" کہا۔

چونکہ عرس کا زمانہ تھا، ہر شخص مہمانداری اور رسومات کے انتظام میں منہمک تھا اِس لیے حضرت موہڑہ شریف نے خاص خادموں کو تاکید کر دی کہ ایرانی مہمانوں کی مناسب پذیرائی کی جائے۔ اور عزت و احترام سے ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ یہ دیگر مہمانوں میں ممتاز ہیں۔ اور اِس

پہاڑی علاقہ کے حالات سے آشنا نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک آراستہ مکان اُن کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اور ایک خادم ہر وقت امتثال امر کے لیے حاضر رہتا۔ اور متمدن شہریوں کی طرح پذیرائی کی گئی۔

عرس کا زمانہ گزرنے کے بعد حضرتِ موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے خاص توجہ اُن کی طرف مبذول فرمائی۔ اچھے کھانے پینے اور عمدہ لباس عنایت کر کے محبت کا اظہار فرماتے۔ حضرت صاحب پہلے کی طرح تکمیلِ سلوک اور اختتامِ تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ اُسی طرح دربار میں بلائے جاتے اور تازہ اسباق سے روحانی لذت وسرور زیادہ سے زیادہ حاصل فرماتے۔ اور مرشد کے کلامِ معرفت انجام کے موتیاں چن چن کر اپنا خزینۂ انوار بھرتے چلے جاتے۔ یہاں تک کہ مقامِ حقیقۃ الحقائق اور عالمِ لاہوت تک پہنچ کر عروجِ عبدیت و انسانیت کا مرتبہ حاصل کر لیا۔

(حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ کے دربار کا رنگ اور آپ کے ارشادات وکرامات حضرت صاحب نے اپنے ماہنامہ "المصطفےٰ" میں مسلسل تحریر فرمائے ہیں۔ شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت موہڑہ شریف قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی صاحبزادیوں کے ذریعہ اس چھوٹی ہمشیرہ کو دربار میں بعد نمازِ عشا طلب فرماتے اور حضرت صاحب کے ساتھ آمنے سامنے بٹھا کر دونوں کو اپنی خاص روحانی تعلیم اور ارشادِ گرامی سے سرفراز فرماتے۔ اور سلوک میں دن دوگنی رات چوگنی ترقیات عطا فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنی صاحبزادیوں کو ہمشیرہ کے، اور صاحبزادوں کو حضرت صاحب کے سپرد فرما کر حکم دیا تھا کہ تم دونوں بھائی بہن ان کو اپنے مانند تربیت کرو اور دینیات کے ساتھ دوسری مختلف زبانوں کی تعلیم دو ___ اس طرح ساڑھے تین سال کی مدت میں موہڑہ شریف کی صاحبزادیاں بھی علم وادب سے آراستہ ہو گئیں۔ اور حضرتِ موہڑہ شریف ان کے اندازِ تعلیم سے بہت مسرور ہوئے۔ کیونکہ ان کی تعلیم مثبت انداز سے کی گئی تھی جس میں سختی سزا اور ناگواری کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

رخصت از موہڑہ شریف

مختصر یہ کہ ہمارے حضرت صاحب کی روحانی تعلیم ساڑھے سات سال میں اور اُن کی ہمشیرہ کی ساڑھے تین سال میں پوری ہوئی اور رخصت کا وقت آ گیا۔ جب حضرت موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے اِن دونوں بھائی اور بہن کو رخصت کرنے کا ارادہ کیا تو حاضرینِ دربار اور خاص طور سے صاجزادیاں بہت رنجیدہ ہوئیں۔ دربار میں آ کر رونے لگیں اور والدِ محترم سے درخواست کی کہ "ایرانی شاہ صاحب کو ابھی رخصت نہ کریں"۔ لیکن وہاں اپنی مرضی کا کام تو نہیں تھا کہ اپنی محبت میں روک لیتے۔ ان کی نظر تو مشیئت پر تھی۔ انھوں نے جواب دیا۔

"اب ان کا کام پورا ہو گیا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ یہ ہم سے رخصت ہو جائیں اور خلقِ خدا کی خدمت کا کام انجام دیں۔"

اجازت و تبرکات

حضرت موہڑہ شریف قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے رخصت و اجازت کے لیے عام دربار فرمایا۔ تمام مہمان، خلفاے عظام اور صاحب زادگان حاضر تھے۔ انھوں نے حاضرین سے فرمایا۔ "میرے چھ فرزند ہیں۔ اور ساتویں (حضرت صاحب کی طرف اشارہ کر کے) یہ ہیں۔ یہی خلیفۂ اعظم اور میرے صحیح جانشین ہوں گے۔ مجھے اِن پر اعتماد ہے کہ میرے بعد یہی میرے نقشِ قدم پہ چلیں گے اور میرے کلمات ان کی زبان سے جاری ہوں گے۔ یہی ایک فرد ہیں جنھوں نے میرے مقاصد کو بخوبی سمجھا اور میرا مقام حاصل کیا ہے۔ یہی میری وہ نشانی ہیں کہ میرے بعد انھیں دیکھ کر لوگ مجھے پہچانیں گے۔ یقین جانو کہ ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا کلام میرا کلام ہے اور ان کا تصرف میرا تصرف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس جگہ میرے اسّی برس کے قیام میں یہی ایک فرد ہیں جنھوں نے میرا دل اور میرا دماغ مٹھی میں لے لیا ہے، اور اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔ اب ان کی رخصت کا وقت آ گیا۔ ایک بڑا کام اِن کے

سپرد کیا گیا ہے۔ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں ان کو اپنے سے جدا کرتا ہوں۔"

پھر حضرت صاحب کی طرف توجہ کرکے فرمایا۔"میرے عزیز، پہلے تم کو سلسلۂ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اجازت دی تھی۔ اب سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ میں بھی تم مقامات طے کرکے حدِ کمال کو پہنچے ہو۔ ان دونوں سلسلوں میں بھی ہم تم کو اجازت دیتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت موٹہرہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے (۱) چار متبرک نشان حضرت صاحب کو عنایت فرمائے (۲) دو جُبّہائے مبارک جو اُس وقت آپ کے جسمِ مبارک پر تھے اتار کر حضرت صاحب کو پہنائے۔ (۳) حضرت باباجی (یعنی حضرت خواجہ نظام الدین ولی رومی) کا عمامۂ مبارک حضرت صاحب کے سر پر رکھا۔ اور (۴) ایک علم (پھریرا) آپ کے ہاتھ میں دیکر فرمایا۔" اِن ہی چار سلسلوں میں طالبوں کی استعداد کے مطابق بیعت لو اور رسالت کا کام انجام دو ـــ میں صوبۂ سندھ کی حکومت تمھارے سپرد کرتا ہوں۔ جاؤ، وہاں اپنا تصرف قائم کرو مشیئتِ ایزدی کے مطابق وہاں کی مخلوق تمھاری محتاج و منتظر ہے۔ جو بندۂ خدا تم تک پہنچے گا دنیا کی فراغت اور دین کی فلاح پائے گا اور جو بھاگے گا محروم رہے گا۔ صوبۂ سندھ کا ایک متوسط شہر تمھارا مرکزِ خلافت ہوگا۔ اپنی مسند رشد وہدایت پر قائم ہو جاؤ۔ اور اگر ممکن ہو تو اپنی والدہ محترمہ کو بھی ایران سے اپنے پاس بلالو ـــ اور سنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ شروع زمانے میں ہی تم وہاں نکاح کروگے۔ کچھ روز کے لیے سندھ سے باہر جانا بھی مقدر ہو چکا ہے۔ تم جس جگہ جاؤگے فتوحت و کرامت و اعزاز تمھیں حاصل ہوگا۔ جب واپس سندھ آؤگے تو اچھی زندگی بسر کروگے۔ اور بیشمار مخلوق تم سے فیضیاب ہوگی۔ سندھ کے عوام سادہ لوح اور کم آمیز ہیں۔ پھر بھی وہ تمھیں گھیر لیں گے اور تمھاری تعلیم و تربیت کے انوار میں خدا رسیدگی حاصل کریں گے۔ میں نے چاروں سلسلوں میں تمھیں تعلیم دی ہے

اور نشان و اجازت بھی دیتا ہوں، جس سلسلے میں مناسب جانو بیعت کرو۔ جاؤ ہر وقت خدا کے کام میں مصروف رہو۔ میں تم سے دُور نہیں ہوں، جب مجھے یاد کرو گے اپنے قریب پاؤ گے۔"
اسی طرح دیر تک محبت و شفقت آمیز کلمات فرماتے رہے۔

تیسرے دن بڑے اعزاز و اہتمام سے آپ کو رخصت فرمایا۔ اور اُن کی ہمشیرہ کو بھی دربار میں طلب فرما کر اہلِ حرم کے سامنے بڑے میٹھے الفاظ میں پدرانہ محبت کا اظہار فرمایا۔ خلافت عطا کی اور زربافت کی ایک چادر ان کے سر پر ڈال کر خاص دستورات دیے اور خواتین کی تعلیم کے لیے مجاز فرمایا۔ اور وصیت کی کہ۔" ہر وقت اپنے آپ کو خدمتِ خلق میں مصروف رکھو۔ اور جو تعلیم و تربیت تم نے یہاں حاصل کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندیوں تک پہنچاتی رہو اور سلسلۂ نقشبندیہ میں ان کی رہنمائی کرتی رہو۔"

اس کے بعد حضرتِ محترمہ والدہ صاحبہ نے اپنی اس ایرانی بیٹی کو اپنے خاص ڈولے میں جو محترماتِ حرم کے لیے مخصوص تھا سوار کر دیا۔ اور ڈولے پر پردہ ڈال کر وداع فرمایا۔ رخصت کے وقت حضرت قبلہ موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ دو آدمیوں کے سہارے سے (کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس برس کی تھی) دروازے تک تشریف لائے اور فرمایا۔" دیکھو اس جانے والے کو یہ دُور سے آیا اور مجھے لوٹ کر جا رہا ہے۔"

۱۹۳۶ء کے آخر میں حضرت صاحب موہڑہ شریف سے رخصت ہو گئے۔ اور جس شان کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے تھے اسی شان کے ساتھ کہ چھوٹے صاحبزادے پیر سلطان لہراسپ خاں صاحب حضرت موہڑہ شریف کے حکم کے مطابق ایک گروہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے ہوئے کوہ مری تک آپ کے ساتھ آئے۔ وہاں سے نوشہرہ کے لیے ایک پردہ دار موٹر ٹیکسی میں بیٹھے۔ اکثر خدا حافظی کرنے والے موہڑہ شریف واپس چلے گئے اور پیر سلطان صاحب حضرت صاحب

کے ہمراہ نوشہرہ چلے آئے۔ وہاں بڑی ہمشیرہ صاحبہ اپنے چھوٹے بھائی اور بہن سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ وہاں پیر سلطان صاحب کی تواضع اور مریدین سے ان کا تعارف کرانے کے لیے دعوتیں ہونے لگیں اور عالی شان لنگر کا انتظام کیا گیا۔ روزانہ کثیر تعداد میں لوگ کشادہ دسترخوان پر جمع ہوتے اور روزانہ گروہ گروہ طالبین بیعت میں داخل ہوتے اور آپ ہر مرید کو اس کی استعداد کے مطابق تعلیم فرما کر رخصت کر دیتے تھے۔

ایک ماہ کے بعد حضرت صاحب خاص سواری میں جہلم تشریف لائے اور دریائے جہلم کے کنارے ایک عالی شان بنگلے میں ایک ماہ قیام فرمایا۔ وہاں بھی لنگر جاری رہا اور بہت سے طالبانِ خدا آپ کی بیعت میں داخل ہوئے اور آپ کی تقاریر و ارشادات کی مٹھاس سے لذت حاصل کی۔

بہ قضائے اتفاق حضرت موہڑہ شریف کی منجھلی صاحبزادی جو پیر سلطان صاحب اور پیر داراب خاں کی منجھلی بہن تھیں۔ ابھی اُن کی شادی کو ایک ہی سال ہوا تھا کہ موضع "بِلّٰہ شریف" میں جو مسند و سجادہ کا مقام ہے وہیں فوت ہوگئیں "ہم خدا کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔" حضرت صاحب پیر سلطان صاحب کو لے کر شرکتِ جنازہ اور فاتحہ خوانی کے لیے "بِلّٰہ شریف" تشریف لائے اور رسوماتِ تعزیت کے بعد چند روز رہ کر واپس جہلم آگئے۔

واقعۂ تاسف انگیز

یہیں جہلم میں حضرت صاحب کے ایک خاص مرید جو حافظِ قرآن اور عالم و زاہد اور ایک مسجد کے پیش امام تھے اور اسی مسجد میں رہتے تھے۔ ایک شخص ہندو اُن کے پاس آکر اُنھیں کے ہاتھ پر آکر مسلمان ہوگیا تھا۔ اور چند روز دائرۂ اسلام میں داخل رہا۔ لیکن پھر ہندوؤں کے ساتھ مل کر مرتد ہوگیا۔ اگرچہ اسلامی شریعت میں مرتد کا قتل واجب ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ حکومت شرعی نہ تھی اور انگریزی قانون کسی کا قتل جائز نہیں

اِس لیے حافظ صاحب نے کوئی مزاحمت نہ کی اور اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا لیکن وہ جو کہا ہے
پیش آئی تو کبھی ٹلتی نہیں آدمی کی بات کچھ چلتی نہیں!

ایک دن وہ مرتد چند ہندوؤں کے ساتھ آیا۔ اور مسجد کے سامنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات بکنے لگا۔ حافظ صاحب سنتے ہی باہر تشریف لائے اور اپنے جذبات کا گلا گھونٹتے ہوئے اُسے منع کیا اور کہا ”ہم مسلمان یہ باتیں سننا گوارا نہیں کرتے۔ تم اپنی یاوہ گوئی سے باز آجاؤ، ورنہ تمھیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔“ یہ کہہ کر اپنے حجرے میں واپس چلے آئے۔ لیکن اس کی تو شامت آئی تھی اور فی النار و السقر ہونے کا وقت ہی آگیا تھا۔ وہ اپنی بدتمیزی سے باز نہ آیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیہودہ کلمات ادا کرتا رہا۔

یہ بات تو کچھ ایمان والے ہی جان سکتے ہیں کہ مسلمان خدا کی شان میں تو سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ گستاخی کا برداشت کرنا اُن کے اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب عزت وحرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چوٹ پڑتے دیکھ کر آپے سے بے آپے ہو گئے۔ ایک تیز چاقو لے کر باہر نکلے اور پہنچتے ہی ایک ہاتھ ایسا مارا کہ سینہ پیٹ تک چاک ہو گیا اور گرتے ہی جہنم میں جا پہنچا۔ حافظ صاحب کو اس قہر و جلال کی حالت میں دیکھ کر اُس کے ساتھی سب بھاگ گئے۔ اور حافظ صاحب وہ خون آلود چاقو اور رنگے ہاتھوں تھانہ پہنچے اور اپنے کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ وہاں ایک مسلمان صوبہ دار متعین تھا جس نے حالات کا صحیح جائزہ لیا اور جان لیا کہ انھوں نے خدا کے حکم کے مطابق وہی کیا ہے جو ایک مسلمان کو کرنا چاہیے۔ اُس نے حافظ صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ قتل کا اقرار نہ کریں اور ہمارے کہنے کے مطابق بیان دیں۔ ہم آپ کو سزا سے بچالیں گے لیکن

حافظ صاحب نے فرمایا۔ "مجھے سزا کا کوئی خوف نہیں، جو کام میں نے خالق کے لیے علانیہ کیا ہے جوانمردی کے خلاف ہے کہ میں اُسے مخلوق سے چھپاؤں اور اپنی جان کے خوف سے جھوٹ بولوں۔" آخر انھیں گرفتار کر کے چالان کر دیا گیا۔

پھانسی کی سزا

مقدمہ قائم ہوا پیشیاں ہوتی رہیں۔ انگریزی قانون نے حافظ صاحب کو قابلِ دار گردانا، اور پھانسی کا حکم سنا کر دن اور تاریخ مقرر کر دی۔ حافظ صاحب نے درخواست کی کہ میرے پیر و مرشد کو بلاؤ میں اُن سے کچھ وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ حافظ صاحب کے باپ اور ماموں حضرت صاحب کی خدمت میں آئے اور سارا حال کہہ سنایا۔ حضرت صاحب اُن کے ساتھ جیل خانہ گئے۔ جب داروغہ جیل کو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ حافظ کی ملاقات کو آئے ہیں تو بڑی عزت و احترام سے حافظ صاحب کے پاس لے گیا اور اطمینان سے ملاقات کا موقع دیا۔ اور حضرت صاحب دیر تک اُن سے باتیں کرتے رہے۔

حضرت صاحب نے اُن کو خاص دستورات دیے اور سالہا سال کے منازلِ سلوک آن واحد میں طے کرا دیے۔ اور چونکہ وہ صرف ایک دن کے دنیا میں مہمان تھے اور صبح سولی پر چڑھ کر سرخروئی حاصل کرنا تھا، آپ نے اُن کو شہادت کی بشارت دی اور ہمت دلاتے ہوئے فرمایا کہ "رات کو روزے کی نیت کر لینا اور تمام رات توبہ، نماز اور ذکر و مراقبہ میں گزار دینا۔"

حافظ صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں وصیت پیش کی کہ میرا جنازہ آپ کے سپرد کر دیا جائے اور میرے کفن دفن اور نمازِ جنازہ کی آپ خود ہی تکلیف فرمائیں۔ چونکہ حافظ صاحب نوجوان تھے۔ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور اس بہادری اور شجاعت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے راضی بہ قضائے الٰہی دار پر چڑھنے کے لیے آمادہ ہوئے تھے ہر شخص بہت زیادہ غمگین و متاثر تھا۔ حضرت صاحب نے دعا فرمائی اور تشفی کے لیے فرمایا۔ اپنا دل خوش

رکھو اور مطمئن رہو اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ کل صبح ہم تمھارے اعزا واحباب کے ساتھ تمھارا استقبال کریں گے اور تمھیں عزت و احترام کے ساتھ لے جائیں گے۔

حضرت صاحب اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور صبح کے اہتمام وانتظام میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں نے صبح تک جنازے پر ڈالنے کے لیے پھولوں کا انبار لگا دیا اور وقت مقررہ پر ایک ہجوم کے ساتھ جیل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ پھانسی پانے کے بعد انسان کا چہرہ کتنا تبدیل ہو جاتا ہے۔ رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ آنکھیں باہر نکل آتی ہیں۔ گردن کھنچ کر لمبی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب حافظ صاحب کا جنازہ سامنے آیا تو لوگ متحیر ہو گئے۔ تبدیلی تو ہوئی تھی مگر عجیب حسن کے ساتھ۔ وہ نکھرا ہوا ملیح رنگ، مسکراتے ہوئے ہونٹ، جگمگاتی ہوئی پیشانی اور پیوستہ و مطمئن آنکھیں۔ جیسے میٹھی نیند سو رہے ہوں۔ لوگوں نے پھول ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ جنازہ پھولوں سے ڈھک گیا۔ حضرت صاحب نے حکم دیا کہ چہرہ نہ چھپایا جائے تاکہ ہر شخص چہرہ دیکھ کر اس شہادت کی موت کا اندازہ کر سکے۔

اسی طرح کلمہ پڑھتے ہوئے اُس مسجد تک لائے جہاں حافظ رہتے تھے۔ وہیں غسل دے کر کفن دیا۔ حضرت صاحب نے نماز پڑھائی اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ قبرستان لے چلے۔ جیسے جیسے آگے بڑھتے تھے۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا۔ اور قبرستان پہنچتے پہنچتے ہزارہا مخلوق میت کے جلوس میں شامل ہو گئی، اور اسی عزت و احترام کے ساتھ انھیں دفن کر دیا گیا۔ ہر شخص مرحبا کہتا اور حافظ صاحب کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا تھا۔ آخر دعا اور فاتحہ کے بعد لوگ متفرق ہونے لگے۔ اور حضرت صاحب بھی اپنے جائے قیام پر تشریف لائے۔ اس کے بعد تمام رسوماتِ مابعد بھی حضرت صاحب نے اپنی موجودگی میں انجام دیں۔ اور پس ماندگان کو اُن کی شہادت و جنت کی بشارت سے اطمینان عطا فرمایا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

سکھّر میں وُرود

چونکہ حضرت قبلہ موہڑہ شریف قدس سرہٗ کے ...... حکم کے مطابق صوبہ سندھ میں آنا لازم تھا اس لیے جہلم سے خاص سواری میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ حضرت پیر سلطان صاحب بھی ہمراہ تھے۔ ایک رات روہڑی میں قیام کے بعد انھوں نے حضرت صاحب سے رخصت چاہی اور کہا "والدِ محترم نے صوبہ سندھ تک آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا۔ اب آپ سندھ میں پہنچ گئے ہیں اس لیے مجھے واپس جانے کی اجازت دیجیے!" حضرت صاحب نے موافق امر اُن کو رخصت کر دیا۔ اور وہ موہڑہ شریف تشریف لے گئے۔

دو روز کے بعد حضرت صاحب اپنی ہمشیرہ کو ساتھ لے کر سکھر آئے اور ایک مکان کرایہ پر لینے کی خواہش کی۔ سیٹھ عبدالرزاق صاحب میمن مرحوم جو ایک نیک خصلت انسان تھے حضرت صاحب کے سامنے آئے اور ادب و تعظیم کے بعد عرض کیا کہ حضور اِس غلام کے مکان میں تشریف رکھیں۔ اور حضور کو لے جا کر اپنے آراستہ مکان میں، جو لوہاروں کی مسجد کے بالمقابل (جو اَب میمن مسجد کے نام سے مشہور ہے) اور حضرت خیرالدین شاہ صاحب (جو جیئے شاہ باباؒ کے نام سے مشہور ہیں) کے مزار شریف کے سامنے ہے ٹھہرا دیا۔ یہ ۱۹۳۹ء جمعرات کا دن تھا۔ جمعہ کے دن حضرت صاحب نے اُسی مسجد میں خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حاضرین مسجد اس درجہ متاثر ہوئے کہ پروانوں کی طرح اس ایمانی اور نورانی شمع کے گرد جمع ہو گئے اور حضور کی لطافتِ کلام اور حسنِ اخلاق نے اُن کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اکثر حاضرین نے اسی مجلس میں حضور کی بیعتِ نسبت حاصل کی اور سیٹھ عبدالرزاق نے مشتاقوں کی ملاقات اور حلقۂ ذکر کے لیے ایک کشادہ جگہ مخصوص کر دی اور حضرت صاحب کی دل و جان سے خدمت کرنے لگے اور چھ مہینے تک اس ہدایت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔

سکھّر کی گرمی تو مشہور ہی ہے۔ یہ ایرانی نژاد بھائی بہن اس شدید گرمی میں بغیر

احساسِ تکلیف اپنے امورات سرانجام دینے میں مشغول تھے۔ لیکن اس ناقابلِ برداشت گرمی میں آپ کی ہمشیرہ بیمار ہوگئیں۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ سکھر کی یہ گرم و خشک آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہیں ہے۔ یہاں تندرستی حاصل نہ ہوگی۔ آپ کراچی تشریف لے جائیں۔ اس صائب مشورے پر عمل کرتے ہوئے حضرت صاحب اپنی ہمشیرہ اور بڑی ہمشیرہ کے تین بچوں کو لے کر، جن میں ایک لڑکی اور دو لڑکے میاں سیف الرحمان جن کی عمر دس سال تھی اور میاں سیّد عطاء الرحمٰن جن کی عمر آٹھ سال تھی، سکھّر سے کراچی کے لیے روانہ ہوگئے۔ حضرت صاحب کو رخصت کرنے کیلیے ایک جمِّ غفیر اسٹیشن تک آیا اور ان میں سے اکثر کراچی تک ساتھ آئے۔

کرامتِ عجیبہ

یہ ایک عجیب کرامت آمیز اتفاق تھا کہ جب ٹرین جنگ شاہی کے قریب پہنچ رہی تھی، نمازِ فجر کا وقت تھا۔ سیّد عطاء الرحمٰن اپنے ماموں اور خالہ کو نماز میں مصروف دیکھ کر خود بھی کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے سیٹ پر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ گاڑی اپنی پوری رفتار سے جارہی تھی۔ دفعتہً ایک تیز جھٹکا لگا اور وہ کھڑکی سے نیچے گر پڑے۔ جب تک زنجیر کھینچی جائے گاڑی رُکتے رُکتے تین چار فرلانگ آگے بڑھ چکی تھی۔ گاڑی کھڑی ہوتے ہی لوگ دروازے سے کود کر پیچھے کی طرف بھاگے اور گاڑی بھی واپس لَوٹنے لگی۔ اُن لوگوں نے آگے جاکر یہ عجیب منظر دیکھا کہ آٹھ سالہ بچہ عطاء الرحمٰن سر سے پیر تک خون میں غرق گاڑی کی طرف بھاگا چلا آرہا ہے۔ بچے کی اس بہادری اور درستی حواس پر متحیر ہوگئے۔ بڑھ کر اسے گود میں اُٹھالیا۔ اور باری باری اپنے ڈبے میں لے آئے۔

حضرت صاحب اپنے مصلے پر دست بدعا تھے۔ جب خالہ نے روتے ہوئے اپنے بچہ کو گود میں لیا تو بچہّ نے ایک بچتہ کارانہ انداز میں تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ جناب آقا جان نے میری دستگیری کی اور خدا نے مجھے بچالیا۔"

ابتدائی امداد کے لیے موجود ڈاکٹر نے اُن کو سیٹ پر لٹا دیا اور زخم کو دیکھا۔ پیشانی پر ایک بڑا زخم تھا اور گوشت پوست ہڈّی سے الگ ہو کر اِدھر اُدھر لٹک رہے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا: "اتنے بڑے زخم کے لیے اسی وقت ٹانکے لگانے کی ضرورت ہے۔ لیکن میرے پاس خاص سوئی اور دیگر آلات نہیں ہیں۔ عام سوئی سے ٹانکا لگانے کے لیے بچّہ کو بیہوش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اطمینان سے ٹانکا لگایا جا سکے۔"

یہ سنتے ہی بچّے نے ڈاکٹر سے کہا۔ "بیہوشی کی کوئی ضرورت نہیں ڈاکٹر صاحب! آپ جو کرنا چاہتے ہیں کیجیے۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔" لوگوں نے تعجب کے ساتھ بچے کی تعریف کی اور شاباشی دی۔ ڈاکٹر نے عام سوئی سے چند ٹانکے لگا کر خون بند کرنے کی دوائیں لگائیں اور پٹی باندھ کر ابتدائی امداد کا کام پورا کر دیا۔

پولیس کے آدمیوں نے، جو تفتیشِ حال کے لیے ڈبّے میں آ گئے تھے، حضرت صاحب سے کہا کہ انجن ڈرائیور پر نقصانِ جان کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا جس سے یہ حادثہ واقع ہوا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم کیس کو آگے بڑھائیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "نہیں، ڈرائیور کی نیت کسی کو نقصان پہنچانے کی تو نہ تھی۔ اور پھر کسی بندۂ خدا کو پریشانی میں ڈالنے سے ہمارا کیا فائدہ؟ بچّے کا زخم تو اچھا نہ ہو جائے گا۔ چھوڑ دو، خدا بہتر کرے گا۔"

القصہ جب ابتدائی امداد سے فارغ ہوئے تو بچہ سے لوگوں نے پوچھا۔ "تم کیسے گرے، اور گرنے کے بعد تمھیں کیا معلوم ہوا؟" بچّہ نے جواب دیا۔ "میں ایک جھٹکے سے نیچے گر پڑا۔ لائن کے قریب ہی ایک نالہ تھا جس میں پتھر بچھے ہوئے تھے۔ میں لڑھکتا ہوا نالے میں چلا گیا۔ بیہوش ہو گیا۔ مجھے اپنی کوئی خبر نہ تھی۔ جب میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا ایک بزرگ میرا ہاتھ پکڑ کر

اُٹھا رہے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے سیدھا کھڑا کیا اور میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کے فرمایا۔ "جاؤ اِدھر بھاگ جاؤ، وہ سامنے گاڑی نظر آتی ہے۔" میں نے سامنے دیکھا، مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جلدی سے نالے کے اوپر آیا اور جدھر میرا منھ تھا بھاگنے لگا۔ تھوڑی دُور بھاگا تو سامنے سے کچھ آدمی بھاگتے ہوئے میری طرف آرہے تھے اور اُنھوں نے مجھے اُٹھا لیا۔"

ریلوے افسران نے کراچی ٹیلیفون کر دیا تھا کہ حادثہ ہو گیا ہے مریض کو ہسپتال پہنچانے کے لیے انتظام کیا جائے۔ صدر اسٹیشن کراچی پر پولیس کے افراد موجود تھے۔ انھوں نے مریدین کے ساتھ مل کر بچے کو ہسپتال پہنچایا۔ حضرت صاحب اپنی بیمار ہمشیرہ اور چند مریدین کے ساتھ اس مکان میں تشریف لائے جس کا پہلے سے انتظام کیا گیا تھا۔

سول ہسپتال پہنچتے ہی بچے کو آپریشن روم میں لایا گیا۔ آپریشن سے قبل سول سرجن نے کہا ــ "یہ آپریشن آنکھوں کے لیے خطرناک ہے۔ اِس لیے بچے کے کفیل تحریری اجازت دیں تو آپریشن کیا جا سکتا ہے۔" فوراً عطاء الرحمٰن نے سول سرجن سے کہا ــ "میرے کفیل پیر صاحب ہیں اُن کو تکلیف نہ دو اپنا کام کرو۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" موجود ڈاکٹران اور حاضرین بچے کی اس ذہنیت اور پختہ اعتقادی سے متحیر ہوئے اور بہت تعریف کی۔

آپریشن کے بعد انھیں ایک خاص کمرے میں لٹایا گیا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اس بچے کی گفتگو سے اس قدر خوش تھے کہ جب تیمارداری اور بیمارپرسی کے لیے آتے تو بچے کے نام، کام، مقام، اور خاندان کے متعلق سوال کرتے اور میاں عطاء الرحمٰن ہر سوال کا معقول جواب دیتے تھے۔ اس لیے ہسپتال کا پورا عملہ اور آنے جانے والے اُن سے بڑی محبت کرتے تھے اور اکثر کھلونے اور کھانے پینے کی چیزیں بھی لاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس بچے کی بہادری اور حالات و واقعات وائسرائے ہند تک پہنچے اور کئی بار انھوں نے ٹیلیفون پر حال دریافت کیا۔ اخبارات میں اُن کی

تصویر شایع ہوئی۔ تقریباً دو مہینہ ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ ہسپتال کے عملے اور عیادت کے لیے آنے والوں کے علاوہ مریدین میں سے دو آدمی ہر وقت اُن کے پاس رہتے اور حضرت صاحب بھی اکثر بچے کو دیکھنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ شفایاب ہونے کے بعد ڈاکٹروں اور نرسوں نے بڑی خوشی کے ساتھ اُن کو رخصت کیا۔ بہت آدمی اُن کو لینے کے لیے گئے۔ انھیں ہار پھول پہنا کر موٹر میں بٹھایا گیا۔ وہ شاندار لباس میں پھولوں کے درمیان تنہا موٹر میں اور ایک جلوس پیدل کلمہ پڑھتا ہوا ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ چونکہ راستہ چلنے والے بھی اس جلوس میں شریک ہو گئے تھے ایک اچھا خاصا استقبالی جلوس اُن کی معیت میں گھر تک آیا۔ دو بکرے قربانی کر کے فقیروں میں تقسیم کیے اور بہت کچھ شکرانہ ادا کیا گیا۔

حضرت صاحب کی غربا نوازی

ایک سال کے بعد حضرت صاحب کراچی سے سکھر تشریف لے آئے اور حسبِ سابق ارشاد وہدایت میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت آپ کی شہرت سکھر کے اطراف بلکہ شکارپور، جیکب آباد، سبّی اور کوئٹہ تک پہنچ چکی تھی اور مشتاقانِ راہِ سلوک خدمت میں حاضر ہو کر بیعت و تربیت سے سرفراز ہونے لگے تھے۔

حضرت صاحب کے ایک نوجوان مرید سیّد صاحب ساکن موضع دل مراد جیکب آباد نے جب سنا کہ حضور کراچی سے سکھر تشریف لے آئے ہیں تو اشتیاقِ قدمبوسی کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے سکھر آئے۔ اُن کو بڑی آرزو تھی کہ ایک مرتبہ حضور کو اپنے یہاں لے جائیں۔ اور آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے برکت حاصل کریں اور وہاں کے لوگوں کو جو شریعت و طریقت کے راستے سے نابلد تھے آپ کے ذریعہ ہدایت کی طرف رجوع کریں۔ لیکن اپنی مفلسی اور تنگ دستی کو دیکھتے ہوئے ہمت نہ ہوتی تھی کہ عرض درخواست کریں۔ مجلس میں آ کر ایک کنارے بیٹھ گئے۔

حضور حاضرین سے محوِ کلام تھے۔ آپ نے اس نوجوان سید پر نظر کی اور اس کے دل کو خدا و رسولؐ کی محبت اور اپنے پیر و مرشد کے عشق و جذبہ سے بیتاب اور ذکر سے معمور دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اور قریب آنے کا اشارہ کیا اور اس قدر لطف و عنایت سے بات شروع کی کہ اس کا خوف جاتا رہا۔ اُس نے بڑی عاجزی سے حرفِ مطلب ادا کیا کہ اگر حضور غریب خانہ پر تشریف لے چلیں تو بڑی کرم نوازی ہو۔ حضرت صاحب نے قدرے تامل کے بعد اُن کی درخواست منظور کی اور فرمایا ہم تمھارے یہاں ضرور چلیں گے۔ یہ مژدۂ جانفزا سن کر سید صاحب خوش ہو گئے اور اپنے گاؤں خبر بھیج دی کہ حضرت صاحب نے دعوت قبول کر لی ہے۔ اور فلاں دن فلاں وقت تشریف لا رہے ہیں۔

دوسرے دن حضرت صاحب سید صاحب کے ہمراہ موضع "دل مراد" تشریف لے گئے اور دو روز وہاں قیام فرمایا۔ اکثر خوش نصیب حضرات نے آپ کی بعیت و صحبت سے سرفرازی حاصل کی اور پوری آبادی میں مشہور ہو گیا کہ ایک ولی اللہ پیرِ روشن ضمیر تشریف لائے ہیں۔ موضع کے رئیس دل مراد خاں صاحب نے جو دل مراد خاں اول کے نواسے تھے اپنے چند معزز لوگوں کو حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجا اور درخواست کی کہ اگر حضور دعوت قبول فرمائیں تو عین نوازش ہو۔ حضور نے فرمایا۔ "ہم فقیر لوگ غریبوں اور مسکینوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک غریب سیدزادے کا دل رکھنے کے لیے چلے آئے ہیں ہمیں رؤسائے عظام ذوی الاکرام سے کوئی مناسبت نہیں ہے"۔ وہ ناامید ہو کر واپس چلے گئے۔ اور اپنے رئیس سے بتایا کہ وہ مردِ خدا رسیدہ دنیاوی شان و شوکت اور دولت و امارت کی طرف نظر نہیں اُٹھاتے۔ ہم لوگ چونکہ رئیسانہ شان و انداز سے گئے تھے اس لیے آپ نے ہماری دعوت قبول نہیں فرمائی۔

دوسرے دن حضرت صاحب اپنے مریدِ صادق سید صاحب کی دعوت سے فارغ ہو کر واپس آنے کے لیے تانگہ پر سوار ہوئے تو بہت سے لوگوں نے تانگے کو گھیر لیا۔ کوئی

خیر و برکت کی التجا کرتا۔ کوئی بیماری سے شفا مانگتا۔ کوئی توفیق توبہ اور خاتمہ بالخیر کی درخواست کرتا۔ چونکہ یہ سب غریب اور اکثر دہقان تھے حضور ہر ایک کی دل دہی فرماتے اور سب کی طرف یکساں توجہ کرتے تھے۔ تانگہ بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی وقت جبکہ تانگے کے چاروں طرف لوگ دوڑ دوڑ کر آرہے تھے اور ہر شخص حضور کو چھونے کی کوشش کر رہا تھا ایک شخص لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کہنے لگا "ایک طرف ہٹ جاؤ سائیں دل مراد خاں آرہے ہیں"۔ چونکہ ہر شخص اپنے رئیس سے مرعوب تھا، لوگوں نے جگہ دے دی ــــ اور دل مراد خاں صاحب نے تانگے کے قریب آکر مصافحہ کرتے ہوئے حضرت صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ــــ "یہ تو ہماری بڑی بدقسمتی ہوگی کہ حضور یہاں تشریف لائیں اور ہم محروم رہ جائیں۔ حضور ہمارے لیے ایک روز اور قیام فرمائیے"۔ جب وہ رئیس اس انداز گرفتگی سے درخواست گزار ہوا تو حضور نے دعوت قبول فرمالی۔ کیونکہ فقرا بلا واسطہ درخواست کو رد نہیں کرتے۔

وہ جمعرات کا دن تھا۔ دل مراد خاں کے محل کے نزدیک ایک عالی شان مسجد تھی جو اُن کے والد نے تعمیر کرائی تھی۔ چونکہ مسجد کے اطراف میں امیروں اور رئیسوں کے مکان تھے اس لیے پنجوقتہ نماز میں جماعت بہت مختصر ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں کے لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل جمعہ کو سب اسی مسجد میں نماز ادا کریں۔ ساری آبادی کے لوگ اور وہ تمام امیر و رئیس افراد جو مسجد کی طرف رُخ نہیں کرتے تھے جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں جمع ہو گئے۔ حضرت صاحب نے خطبہ کے دوران فرائض و واجبات کا بیان فرمایا، صوم و صلوٰۃ کی خوبیاں بتائیں اور بطریق احسن ایسی نصیحتیں کیں جو لوگوں کے دل نشین ہو گئیں۔ نماز اور اذکار کے بعد دل مراد خاں صاحب نے بیان کیا کہ "آج میری زندگی کا پہلا روز ہے کہ میں نے عبادت و اذکار میں روحانی مٹھاس پائی ہے"۔ اور

حضرت صاحب سے درخواست کی کہ حضور دو روز اور قیام فرمائیں تاکہ اچھی طرح روحانی سکون حاصل کرسکیں۔ غرض اِن تمام اوقات میں غریب اور امیر لوگ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے اور یکساں مستفید و مستفیض ہوتے رہے۔ اس خیر و برکت کو دیکھ کر دل مراد خاں صاحب سے نہ رہا گیا اور اپنے دل کی مراد حضور کی خدمت میں پیش کردی کہ حضور ہمیشہ کے لیے اسی جگہ اقامت فرمائیں۔ حضور کے لیے ایک محل اور مدرسہ کے لیے عالی شان عمارت بن جائے گی اور بیس کینال زمین لنگر وغیرہ کے خرچ کے لیے وقف ہوگی۔ اور ہم جس قابل ہیں حضور کی خدمت بجالائیں گے۔

اگرچہ حضور اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادِ گرامی کے ماتحت اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ کی سکونت سندھ کے ایک بڑے شہر میں ہوگی۔ پھر کسی چھوٹی جگہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن دل مراد خاں صاحب نے کچھ ایسے خلوص سے یہ پیش کش کی تھی کہ ایک دم مایوس کر دینا مناسب نہ سمجھا اور فرمایا۔ "فی الحال میں سکھر جا رہا ہوں اگر خدا نے چاہا اور دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس کے متعلق غور کریں گے"۔

والدہ محترمہ کی مراقبہ میں زیارت

جب حضرت صاحب سکھر کے مختصر قیام کے بعد کراچی تشریف لائے تو مراقبہ کے دَوران مشاہدہ فرمایا کہ نورانی لوگوں کا ایک ہجوم نہایت عمدہ نظم و نسق کے ساتھ چار چار کی صف میں مشرق سے مغرب کی طرف ذکر کرتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ اور حضرت صاحب نے بہت صاف طریقہ پر دیکھا کہ سب کے آخر میں والدہ ماجدہ نہایت خوش و خرم عمدہ لباس میں گزر رہی ہیں۔ حضرت صاحب نے والدہ صاحبہ کے اشتیاقِ دیدار میں کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن انھوں نے اشارہ کیا کہ بیٹھے رہو۔۔۔ اس واقعہ نے حضرت صاحب کو متفکر کر دیا۔ اور والدہ صاحبہ کے دیدار کی تمنا جاگ اٹھی۔

حضرت صاحب نے یہاں سے اپنی والدہ صاحبہ کو جو عراق میں تھیں خط لکھا کہ یا تو آپ خود کراچی تشریف لے آئیے یا اجازت دیجیے کہ میں وہاں آ کر آپ کو اپنے ساتھ لے آؤں۔ انھوں نے جواب دیا کہ فی الحال میں اپنی نیت ادا کرنے میں مصروف ہوں۔ رمضان شریف گزر جانے کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن ماہِ رمضان المبارک میں اُن کی وفات کی اطلاع ملی۔ اور معلوم ہوا کہ اُنھوں نے عراق میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرمِ مقدس کے درمیان نماز کے آخری سجدے اور روزے کی حالت میں ۱۹ ر رمضان ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء وفات فرمائی اور قربِ خداوندی حاصل کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس خبر تاسف اثر سے حضرت صاحب اور اُن کی ہمشیرہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور اُن کے دیدار سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ کئی ماہ تک قرآن خوانی، فاتحہ اور ایصال ثواب کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد حضرت صاحب سکھر کے مریدین و معتقدین کی خواہش پر سکھر تشریف لے آئے۔

دل مراد خاں صاحب کی وفات

اسی دوران دل مراد خاں صاحب کے صاحبزادے سکھر آ کر حضرت صاحب سے ملے اور بڑے رنج وغم کے ساتھ اپنے والد صاحب کے انتقال کی خبر سنائی۔ اور عرض کیا کہ میرے والد صاحب نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کے لیے محل اور مدرسہ کی تعمیر کروں اور آپ کو لے جا کر وہاں بساؤں۔ اگر آپ اجازت دیں تو کام شروع کر دیا جائے اور آپ وہاں سکونت فرمائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے دل مراد خاں صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ اگر دوبارہ آپ سے ملاقات ہو گی تو ہم اس کے متعلق غور کریں گے۔ لیکن اُن کی دوبارہ ملاقات نصیب نہ ہوئی۔ اس سے مشیئتِ الٰہی معلوم ہوتی ہے کہ وہاں کی سکونت ہمارے لیے نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو مبارک کرے اور اپنے امن و امان میں رکھے۔

سکھر میں چند روزہ قیام کے بعد حضرت صاحب کراچی واپس آنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ سردار محمد علی خاں صاحب کی چھوٹی صاحبزادی کی شادی میں اُن کی بیگم صاحبہ نے جو حضرت صاحب کی خاص مریدہ تھیں حضرت صاحب اور اُن کی ہمشیرہ کو شرکت کی دعوت دی اور زور دیکر التجا کی کہ آپ اس خوشی میں بالضرور شرکت فرمائیں۔ اس لیے حضرت صاحب نے کراچی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور شادی میں شرکت کی۔

حضرت صاحب کا عقد نکاح

حضرت صاحب اِس وقت نہایت خوبصورت جوان اور ظاہری و باطنی کمالات میں آراستہ و پیراستہ تھے۔ حسین و جمیل چہرہ، سانچے میں ڈھلا ہوا قد، جاذب نظر اور سفید لباس میں سیاہ گھونگھریالے بال کاندھے تک لہراتے ہوئے بہت ہی حسین اور خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ شادی کی اس محفل میں جس نے دیکھا وہ فریفتہ ہو گیا۔ اور سردار محمد علی خاں صاحب، جنھوں نے حضرت صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا بہت خوش ہوئے اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔

اس وقت سردار محمد علی خاں صاحب کی تین صاحبزادیاں گھر میں تھیں جن کی نسبت کے لیے ہر طرف سے باتیں آتی تھیں۔ لیکن والدین خاندان سے باہر رشتہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ تقدیر سر نوشت یہی تھی کہ اسی پہلی ملاقات میں سردار صاحب نے اپنی ایک صاحبزادی کو حضرت صاحب کے نکاح میں دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور نہایت خوبصورت پیرایے میں حضرت صاحب سے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ جس میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب (پُرانا سکھر) کی تحریک بھی شامل تھی۔

حضرت صاحب کو یاد تھا کہ حضرتِ قبلہ موہڑہ شریف قدس سرہٗ نے ظاہر فرما دیا تھا کہ تم سندھ میں نکاح کرو گے۔ اپنے پیر کے حکم کے بموجب راضی ہو گئے۔ لیکن فرمایا :-

"دیکھیے، میں ایک فقیر بے نوا ہوں، دنیاوی آرام و آسایش کے لیے کوئی ساز و

سامان میرے پاس نہیں ہے۔ اگر آپ اس فقیری پر راضی ہیں تو مجھے اپنے پیر کے حکم سے انکار کی مجال نہیں ہے"
سردار محمد علی خاں صاحب، اُن کی بیگم اور تمام اعزا نے بڑی خوشی کے ساتھ منظور کیا۔ اور اس کے پانچویں روز ہی ۱۹ ؍مئی سنہ ۱۹۴۰ء کو مجلس نکاح منعقد کر دی گئی۔

حضرت صاحب کی برات کی شان بھی عجیب تھی کہ شہر کے تمام معززین اور شرفا جن میں زیادہ تر حضرت صاحب کے مرید تھے برات میں شریک ہوئے۔ بہت سی کاریں اور دیگر سواریاں موجود تھیں۔ لیکن حضرت صاحب نے پیدل تشریف لے جانا پسند کیا۔ اور ادب کی بنا پر تمام شرکا آپ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ کاریں اور سواریاں خالی دو رویہ ساتھ ساتھ تھیں۔

برات کی واپسی میں خاص لوگوں نے عرض کیا کہ رسم مسرت کی موافقت میں اس وقت حضور بھی نوعروس کے ساتھ کار میں تشریف رکھیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ عروس کار میں ہو اور حضور پیدل تشریف لے چلیں۔ حضرت صاحب نے اُن کی درخواست قبول فرمائی اور کار میں بیٹھ گئے۔ پھر تمام شرکاء اپنی اپنی کار اور سواریوں میں بخیر و خوبی پرانے سکھر محلہ خیرالدین شاہ تک ساتھ آئے اور برات کو گھر تک پہنچا کر ہنسی خوشی مبارک سلامت کے ساتھ واپس چلے گئے۔

حیدرآباد

حیدرآباد میں وُرود

حضرت صاحب چند روز کے بعد اپنی بیگم اور ہمشیرہ کے ساتھ حیدرآباد چلے آئے۔ کنٹونمنٹ کے علاقہ میں ایک بنگلہ جو آبادی سے دُور واقع تھا اور اُس وقت اس کے علاوہ وہاں اور کوئی مکان نہ تھا کرایہ پر لے کر مقیم ہو گئے۔ اور بہت جلد یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی کہ یہاں ایک نوواردپیر آکر ٹھہرے ہیں۔ حیدرآباد

شہر کے علاوہ اطراف کے لوگ حضرت صاحب کی خدمت میں آنے اور آپ کی بیعت میں داخل ہونے لگے۔ آپ اپنے بنگلہ کے میدان میں نماز مغرب کی جماعت کا انتظام فرماتے۔ حاضرین کی ایک بڑی جماعت شریک ہوتی۔ مراقبہ کے بعد حضور کی تعلیم سے فیضیاب ہو کر کافی رات کو لوگ واپس جاتے تھے۔ شہریوں کی اس قدر آمدورفت سے برطانوی فوج کے افسران تشویش میں مبتلا ہوگئے۔ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ روزانہ اتنے لوگ یہاں کیوں جمع ہوتے ہیں۔

حضرت صاحب نے اہلِ حرم کے لیے اسی بنگلہ کے قریب ایک حصّہ میں پردے کا انتظام فرمادیا تھا۔ سندھ میں آپ کے مستقل قیام کی یہی ابتدا تھی۔ اس وقت حضرت صاحب کے ساتھ بیگم اور ہمشیرہ کے علاوہ ایک مرید سردار علی بھی خادمِ خاص کی حیثیت سے رہتے تھے۔ فتح خان صاحب نے بھی خدمات انجام دیں۔

چونکہ یہ مقام اُس وقت شہر سے دُور اور درمیانی فاصلہ بالکل غیر آباد اور سنسان تھا۔ اس لیے حضرت صاحب کے تشریف لانے سے پیشتر کوئی بھی اِدھر آنے کا ارادہ نہ کرتا تھا۔ لیکن اب شہر سے اس قدر لوگ آتے تھے کہ اُن کے چلنے کی وجہ سے ایک نیا راستہ بن گیا تھا جس نے اب پختہ سڑک کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اور آپ کے قدموں کی برکت سے ساری زمین آباد ہوگئی ہے جس میں سراج کالونی، غریب آباد، سرفراز کالونی اور پٹھان کالونی میں ہزارہا افراد مکان بنا کر تمدنی زندگی گزار رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں یہاں خام یا پختہ کوئی ایک مکان بھی نہ تھا۔ حضرت صاحب تنہا خلوت وسکون کے ساتھ عبادت ومراقبہ میں مشغول رہتے اور خدمتِ خلق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ اِس مکان کو حاجی محمد یعقوب اور محمد رمضان نے منتخب کیا تھا۔ جب اس قبولیتِ عام اور رجوعِ خلق کی اطلاع حضرتِ قبلہ موہڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور حاضرین کے درمیان حضرت صاحب کی بہت تعریف کی اور درجات کی ترقی کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت صاحب کا کام روز بروز ترقی کرتا گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں شہر کے رؤسا، افسران وحکام، ہندو اور مسلمان بیعت واعتقاد کے رشتہ میں آپ سے منسلک ہوگئے۔ اور

پابندی کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضِ صحبت حاصل کرنے لگے۔

فیض آباد جانے کی ظاہری وجہ

یہ دوسری جنگِ عظیم کا زمانہ تھا۔ ۱۹۴۱ء میں انگریزوں نے ایران پر حملہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی حکومتِ برطانیہ کی طرف سے تمام ایرانیوں پر توجہ کی نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اور جاسوس متعین کر دیے گئے تھے کہ ہر ایرانی کی نقل و حرکت کی اطلاع اپنے اعلیٰ افسران کو پہنچاتے رہیں کسی جاسوس نے کمشنر حیدرآباد کو رپورٹ کی کہ ایک شخص ایرانی نژاد پیری اور فقیری کے لباس میں شہر سے دُور ایک غیر آباد مقام پر سکونت رکھتا ہے اور شہر کے علاوہ مضافات کے لوگ بھی اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ یہ ایران کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کوئی تخریبی کارروائی انجام دیتا ہو۔ کمشنر حیدرآباد نے خفیہ پولیس کو مقرر کیا کہ وہ اِن حالات کی تحقیق کر کے اطلاع دے۔

حضرت صاحب اپنی خانقاہِ مبارک میں نہایت سادگی اور ظاہری شان و شوکت سے بے نیاز زندگی بسر فرماتے تھے۔ اوقاتِ مقررہ کے علاوہ اکثر خلوت میں عبادتِ الٰہی اور مراقبہ و محویت میں مشغول رہتے تھے۔ اِن اوقات میں اگر کوئی ملاقات کے لیے آتا تو جب تک آپ کو اطلاع کی جائے اور آپ اجازت دیں اُسے دروازے پر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن حضرت صاحب اپنے خلیفۂ خاص پیر قطب شاہ کے ساتھ خلوت و مراقبہ میں مستغرق تھے کہ دو جاسوس سادہ دیہاتی لباس میں ملاقات کے لیے آئے۔ خادم دربار نے اُنھیں دروازے پر روک کر انتظار کے لیے کہا۔ اسی وقت خانقاہ کا دروازہ کھلا اور حضرت صاحب نے تبسم فرماتے ہوئے اُن کو اندر آنے کی اجازت دی۔ جب انھوں نے حضرت صاحب کے پُر نور چہرے کو دیکھا تو کانپ گئے۔ مراقبہ کے بعد حضرت صاحب کی پُرخمار سُرخی مائل آنکھیں ایسی پُر جلال ہو جاتی تھیں کہ نظر ملانا دشوار ہوتا تھا۔ دونوں نے نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا اور فدویانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب نے قدرے تامل کے بعد مسکراتے ہوئے آنے کا سبب پوچھا۔

اُنھوں نے خود کو چھپاتے ہوئے کہا "حضور کی ملاقات اور قدمبوسی کیلیے آئے ہیں"۔
حضرت صاحب نے فرمایا۔ "آپ جس مقصد کے لیے آئے ہیں آزادی کے ساتھ اپنا کام انجام دیجیے"۔ وہ بیحد متعجب ہوئے اور کہا:
"آپ یہ کیسے فرماتے ہیں کہ ہم کسی دوسرے خاص مقصد سے حاضر ہوئے ہیں"۔ وہ انکار کرنا چاہتے تھے۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا:۔

"جو کام خالق سے چھپا نہیں اُسے اُس کے بندوں سے نہیں چھپانا چاہیے"۔

اِس جملہ نے دونوں کو متحیر کر دیا اور وہ حضرت صاحب کے قدموں میں گر کر معذرت کرنے لگے۔ اور صاف صاف بتا دیا کہ "ہم خفیہ پولیس کے آدمی ہیں اور ہمیں آپ کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ حکومت کو آپ کی طرف سے بلا وجہ شکوک ہیں۔ آپ تو یہاں دین کا کام انجام دے رہے ہیں اور خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہیں"۔ اس کے بعد ان دونوں نے بعیت کی درخواست کی اور حلقہ بگوش ہو کر واپس چلے گئے۔ لیکن حکومتِ برطانیہ کا شک رفع نہ ہوا اور وقتاً فوقتاً حضرت صاحب کے حالات معلوم کرنے کے لیے لوگ آتے اور یہاں سے خدائی رنگ میں غوطہ لگا کر سرخرو ہوتے رہے۔ اسی طرح چند ماہ گزر گئے اور حضرت کا کارِ رشد و ہدایت بہ سکون و اطمینان جاری رہا۔

بی بی نابغہ سلمہا کی پیدائش

۱۹ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء کو اللہ تعالےٰ نے حضرت صاحب کو ایک دختر عطا فرمائی۔ خداوند کریم سعادت و دیانت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔ جب بیٹی کی پیدائش کی خبر حضرت صاحب کو دی گئی تو آپ نے مسکرا کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ اور فرمایا۔ "پروردگار کا کرم و احسان ہے کہ اُس نے ہم کو بیٹی عطا فرمائی۔ یہ آفرینشِ قدرت کا عطیہ ہے"۔ جب بیٹی کو دیکھا تو فرمایا۔ "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

خاطر جمع رکھو، یہ بچی نہایت حسین وذہین ہوگی اور ہمیں سنتِ مصطفویؐ کی ادائگی کا موقع ہاتھ آئے گا"۔

حضرت صاحب کے اظہارِ تشکر وتسلیم کا اثر ہی کہیے، چند روز میں اس دخترِ نیک اختر کی ظاہری اور باطنی ہیئت وخصلت میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی اور چار ماہ کی عمر کو پہنچتے پہنچتے حسن وجمال کے سانچے میں ڈھل گئیں اور ایسی فربہ اور تندرست تھیں کہ جو دیکھتا پیار سے گود میں اُٹھالیتا۔ اور ان کے معصوم تبسم پر نثار ہوتا تھا۔ ان کو سب شاہ بی بی کہتے تھے۔

حضرت صاحب اور منصفِ عدلیہ

ابھی تک افسران اور حکامِ برطانیہ حضرت صاحب کی طرف سے مشکوک تھے اور آپ کا مقام نہ جاننے کی وجہ سے حیرت میں مبتلا تھے کہ ایک ایرانی نژاد جو عیش وتنعم کی لذت سے آشنا ہونے کے علاوہ فوجِ پہلوی کے اعلیٰ عہدہ پر بھی فائز رہ چکا ہے ایسے ویران مقام پر سب سے الگ تھلگ مشکوک زندگی گزار رہا ہے۔ آخر انھوں نے عدالت میں حاضری کا وارنٹ جاری کر دیا کہ بالمشافہ گفتگو کر کے حالات وواقعات کی تحقیق کریں۔

قبل اس کے کہ وارنٹ حضرت صاحب تک پہنچے حکیم رمضان علی اور حاجی محمد یعقوب وغیرہ نے جو حضرت صاحب کے جاں نثار مریدوں میں سے تھے بالا بالا وارنٹ کی تنسیخ کے لیے کوشش شروع کی اور حکام تک رسائی اور ان کی موافقت حاصل کرنے کے لیے دوڑ بھاگ کرنے لگے۔ آخر ایک رات حضرت صاحب نے خود اُن سے پوچھا:

"آپ لوگ اتنے متفکر اور پریشان کیوں نظر آتے ہیں۔ کیا بات ہے؟"

انھوں نے عرض کیا۔ "حضور کو عدالت میں حاضر ہونے کے لیے وارنٹ جاری کیا گیا ہے۔ ہم لوگ اُسے منسوخ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سب کام ٹھیک ہوگیا ہے اور انشاءاللہ کل وہ منسوخ ہو جائے گا۔"

حضرت صاحب نے فرمایا ــ "آپ کیوں منسوخ کرانا چاہتے ہیں مشیئت کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا۔ ہمیں عدالت میں حاضر ہونا ہے تو ہم ضرور حاضر ہوں گے۔ ہم خدا کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے ۔"

انھوں نے کہا ــ "اب حضور کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ کل یہ کام ختم ہو جائے گا ــ!"

دوسرے دن یہ خادمان اور غلامان عدالت میں موجود تھے اور عنقریب وارنٹ کی تنسیخ عمل میں آنے والی تھی۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت صاحب عدالت کے احاطہ میں داخل ہو رہے ہیں سب استقبال کے لیے دوڑے۔ آپ نے فرمایا "ہمیں متعلق مجسٹریٹ کی عدالت میں لے چلو۔ اور کہو کہ مطلوبہ شخص عدالت میں حاضر ہے ۔"

وہ مجسٹریٹ ہندو تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حضرت صاحب پر پڑی کرسی سے کھڑا ہو گیا اور کانپنے لگا۔ پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا۔ یہی وہ پیر ایرانی ہیں جن کے لیے وارنٹ جاری کیا گیا ہے۔

اُس کی تو گویا زبان بند ہو گئی بات منھ سے نہ نکلتی تھی۔ بڑے ادب سے عرض کیا ــ "آپ اپنی خانقاہ پر تشریف لے جائیں ہم خود وہاں حاضر ہو کر سرکاری احکام کی تعمیل کریں گے ۔"

حضرت صاحب اور سب مریدین و معتقدین خانقاہ واپس چلے آئے اور اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ہندو مجسٹریٹ مع بیوی بچوں کے حضرت صاحب کی خدمت میں آیا کرتا اور آپ کے دیدار و کلام و بیان سے فیض حاصل کرتا تھا۔ ایک روز اُس نے کہا ــ "اعلیٰ افسرانِ برطانیہ آپ کے اس جگہ قیام سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ روز کے لیے سندھ سے باہر چلے جائیں۔ میں نے اپنی سی کوشش کر لی۔ لیکن یہ بات اٹل ہے کہ حضور کو یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔" (یہ وہی زمانہ تھا جب

حروں کے مقابلے میں برطانیہ کو اپنی پوری طاقت خرچ کرکے اُن کے رہنما پیر پگاڑو کو، جن کا نام بھی صبغۃ اللہ شاہ تھا، گرفتار کرنا پڑا تھا۔ اور بالآخر موت کی کرسی پر بٹھا کر بجلی کے کرنٹ سے ان کو ختم کردیا گیا تھا)۔

حضور نے فرمایا۔ "ہمیں مشیئتِ الٰہی سے کوئی انکار نہیں۔ ہمیں جہاں کہہ دیا جائے ہم چلے جائیں گے۔" مجسٹریٹ نے عرض کیا۔ "یہ حضور کی مرضی پر منحصر ہے۔ جہاں حضور فرمائیں گے حکومت اپنی طرف سے آپ کو وہاں پہنچا دے گی۔ کیونکہ اس کا سوا اس کے اور کوئی منشا نہیں ہے کہ حضور سندھ کی رہائش ترک فرما دیں۔"

حضرت صاحب نے ہندوستان کا نقشہ طلب فرمایا، اور ملاحظہ فرماتے ہوئے جب فیض آباد پر نظر پڑی تو وہیں انگشتِ مبارک رکھ دی اور فرمایا "ہم یہاں جانا چاہتے ہیں۔" کیونکہ یہ بات حضرتِ قبلہ موہڑہ شریف نے آپ سے فرمائی تھی کہ چند روز کے لیے سندھ سے باہر جانا پڑیگا پھر واپس سندھ میں آئیں گے۔ سندھ کی صاحبیت آپ سے وابستہ ہو چکی ہے۔

فیض آباد کو روانگی

اکتوبر ۱۹۴۱ء میں حضرت صاحب فیض آباد کے لیے روانہ ہو گئے آپ کے ہمراہ ہمشیرہ اور ہمشیرہ زادہ سید عطاء الرحمٰن، آپ کی اہلیہ محترمہ اور نوزائیدہ بچی نابغہ کے علاوہ خادم محمد صادق اور اُن کی دختر گھر کے چھ آدمی تھے۔ حکومت کی طرف سے دو کانسٹیبل سادہ لباس میں فیض آباد تک پہنچانے کے لیے مامور تھے جو خود بھی عقیدت کے ساتھ ضروری خدمات انجام دیتے اور فیضِ صحبت حاصل کرتے تھے۔ اس طرح یہ مسافرانِ راہِ خدا فیض آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں جہاں جہاں قیام کا اتفاق ہوا بہت سے خوش بخت انسان آپ کی ہدایت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ جہاں جہاں پہنچتے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا سعدی علیہ الرحمہ نے صحیح فرمایا ہے ؎

ہر کجا چشمۂ بود شیریں — مردم و مرغ و مور گرد آیند

ترجمہ

میٹھا چشمہ جہاں کبھی ہوتا ہے — مرغ و انسان گھیر لیتے ہیں

ہر جگہ لوگ آپ کی بیعت میں داخل ہونے کے بعد تمنا کرتے کہ آپ وہیں قیام فرمائیں۔ لیکن آپ ایک دو روز قیام فرما کر اور اُن کو راہِ ہدایت دکھا کر روانہ ہو جاتے۔ اس طرح راستے میں کئی ماہ صرف ہو گئے۔

فیض آباد

سنہ ۱۹۴۲ء کے اوائل میں جمعرات کو نمازِ مغرب سے پہلے فیض آباد کے اسٹیشن پر وارد ہوئے۔ چونکہ نووارد تھے شہر کے محلوں سے واقف نہ تھے، اس لیے امرِ حق کا انتظار کرنے کے لیے کہ مشیئت سے کیا ظاہر ہوتا ہے پلیٹ فارم کے ایک کنارے اپنے عصائے مبارک کا سہارا لیے کھڑے ہو گئے۔ سامان ایک طرف رکھ دیا گیا۔ اہلِ حرم پردے میں دیوار کے قریب بیٹھ گئیں جب گاڑی چلی گئی اور پلیٹ فارم خالی ہو گیا تو اسٹیشن کے کارندے آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ سید نورالحق صاحب جن کا وہاں ٹی اسٹال تھا آپ کے پاس آئے اور حال دریافت کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا "ہم یہاں نووارد ہیں کسی سے شناسائی نہیں ہے۔ اگر کرایہ پر کوئی مکان مل جائے تو ہم وہیں ٹھہر جائیں گے۔" اکثر لوگوں نے رائے دی کہ رات ویٹنگ روم میں قیام فرمائیں صبح انتظام ہو جائے گا۔ سب مسافر ویٹنگ روم میں ٹھہر گئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا "ہمارے لیے قدرت نے پہلے ہی انتظام کر دیا ہے۔ آج ہی مکان ملے گا۔" یہ کہہ کر آپ نے محمد صادق کو ساتھ لیا اور تانگے میں بیٹھ کر شہر چلے آئے۔ آپ ابھی تانگے سے نہیں اُترے تھے کہ ایک مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ آپ نے تانگہ رکوایا اور محمد صادق سے کہا:

"دیکھو اللہ تعالیٰ اذان کے ذریعہ ہم کو یہاں بلاتا ہے اسی محلہ میں ہمارا انتظام کیا گیا ہے"۔ آپ تانگے سے اتر کر مسجد میں تشریف لائے۔ نمازِ مغرب کے بعد لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ ایک وجیہ اور نیک انسان سامنے آئے اور عرض کیا۔ "یہاں تین مہینے سے مولوی ماسٹر عبداللہ صاحب کا مکان خالی ہے، انھوں نے ابھی تک کسی کو کرایہ پر نہیں دیا ہے۔ آپ ملاحظہ فرمالیں اگر پسند ہو تو اس میں قیام فرمائیں"۔ اس مکان کی کنجی سید افتخار حسین صاحب کے پاس تھی وہ آئے اور حضرت صاحب کو مکان دکھایا۔ مکان میں دو صحن تھے اور رہنے کے قابل اچھا مکان تھا۔ دس روپیہ جو باقی بچا تھا حضور نے کرایہ ادا کیا اور مکان کی کنجی لے لی۔ اسی وقت محمد صادق چند آدمیوں کے ساتھ اسٹیشن آئے سامان اور اہل حرم کو اسی مکان میں پہنچا دیا جو محلہ قصاب باڑے میں واقع تھا۔

اس مکان کے قریب ہی صدیق امین خاں صاحب انسپکٹر ڈاکخانہ کا مکان تھا۔ انھوں نے ضروری سامان سے اس مکان کو آراستہ کر دیا۔ ابتداءً یہ پیروں فقیروں کے مخالف تھے۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد انھوں نے بیعت کی درخواست کی۔ اکثر رات کو دیر تک خدمت میں حاضر رہتے اور حضرت صاحب کی صحبت اور رشد و ہدایت سے ظاہری اور باطنی ترقیاں حاصل کرتے تھے۔ یہ آجکل کراچی میں مقیم ہیں اور ہر تقریب کے موقع پر حضور کی خدمت میں حیدرآباد آتے رہتے ہیں۔

فیض آباد میں رجحان خلق

پہلے ہی روز سے حضرت صاحب کی آمد کا شہرہ فیض آباد اور اس کے مضافات میں ہونے لگا۔ نزدیک اور دور سے کیا ہندو کیا مسلمان گروہ در گروہ آپ کی زیارت کے لیے آتے اور برکات و فیوضات سے یکساں مشرف ہوتے تھے۔ بہت سے ہندو آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور بیعت میں داخل ہو کر بڑے اعتقاد و احترام سے فیضِ صحبت حاصل کرتے تھے۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ جو ایک مرتبہ حضور کو دیکھ لیتا ہے آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت صاحب وہاں بھی کمال استغنا اور نہایت سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

اور بندگانِ خدا کی اصلاح و خدمت میں کمربستہ رہتے تھے۔

قصاب پاڑے کی مسجد میں جہاں حضور نماز پڑھاتے تھے، ہر وقت کی نماز میں بہت نمازی آتے اور دُور دُور کے رہنے والے شریک ہوتے تھے۔ وعظ و میلاد کے لیے دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے۔ خاص طور سے جگن پور، روناہی، سعادت گنج، ابوسرائے اور اجودھیا وغیرہ میں اکثر جانا ہوتا۔ یہ مقام اجودھیا ہندوؤں کی خاص تیرتھ کی جگہ ہے۔ یہاں زیادہ جانا ہوتا۔ اور یہاں کے اکثر ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جگن پور فیض آباد سے پانچ میل دُور ہے۔ ایک مرتبہ وہاں وعظ تھا۔ روانگی سے پیشتر بادل گھر آیا اور تیز بارش ہونے لگی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اب حضرت صاحب وہاں نہ جاسکیں گے۔ جگن پور کے لوگ بھی مایوس ہوگئے کیونکہ انھوں نے کھلے میدان میں جلسہ کا انتظام کیا تھا۔ لیکن حضرت صاحب وقت پر تیار ہو کر باہر تشریف لائے بارش بند ہوگئی اور بہت سے لوگ آپ کے ہمراہ جگن پور پہنچے اور اُسی کھلے میدان میں بہ اطمینان تقریر فرمائی۔ وہاں بیعت کے لیے اس قدر لوگ تیار ہوئے کہ حضور نے ایک چادر پھیلادی اور فرمایا سب اس چادر کے سرے کو ہاتھ سے پکڑلیں۔ اس طرح آپ نے ایک ساتھ ایک ہی وقت میں بہت سے طالبوں کو بیعت میں داخل فرمالیا۔

علمائے فیض آباد

چونکہ آپ سندھ سے تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے عام طور سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پیر سندھی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ یہ حضرت قبلہ موہڑہ شریف قدس سرہٗ کے اس فرمان کا ظہور تھا جس میں آپ نے سندھ کی صاحبیت تفویض فرمائی تھی اور کہا تھا کہ سندھ کی باطنی حکومت تمھارے سپرد کی گئی ہے۔ قریب کے شہروں مثلاً لکھنؤ، کانپور، بنارس اور الٰہ آباد وغیرہ میں آپ کو پیر سندھی ہی کہا جاتا تھا۔ لوگ جوق در جوق طویل سفر کرکے آپ کی زیارت کو آتے اور آپ کے کمالات، کرامات، بزرگی اور رشد و ہدایت سے یکساں فائز المرام ہوکر واپس جاتے تھے۔ اس طرح آپ کی شہرت بہت جلد یوپی اور بہار میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ یہ تاثر

عوام ہی میں نہ تھا، بلکہ مختلف الاعتقاد علما بھی عقیدت و احترام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے اُلجھے ہوئے مسائل پیش کر کے علمی اور تحقیقی اطمینان حاصل کرتے تھے۔ جو شخص جس رنگ میں آتا اُسی رنگ میں فیوضات حاصل کرتا تھا۔ اور یہ امر بھی کرامت سے کم نہیں کہ یہ مختلف الاعتقاد علما آپ کی محافل و مجالس میں آکر اپنے اختلاف بھول جاتے تھے۔ انھیں اتحاد، اخوت اور مودت کا وہ سبق مل جاتا تھا جو اس سے پہلے اُن کو نہ کسی مدرسے سے ملا ہوتا اور نہ کسی کتاب سے معلوم ہو سکا ہوتا۔ اور جب وہ اپنی نفرت و فرار کی قیود سے آزاد ہوتے تو انھیں انسانیت کی بلندی کا وہ مقام نظر آجاتا جو اُن کے علم نے نہ دکھایا ہوتا۔ اس لیے مستند علما اور مسند نشین مشائخ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور صفوفِ عوام میں بیٹھ کر یکساں استفادہ کرتے تھے۔

عیدِ میلاد النبیؐ

فیض آباد میں حضرت صاحب ہی نے عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھی اور مسلسل بارہ روز تک جلسوں، جلوسوں، تقریروں، تلاوتِ قرآن اور نعت خوانیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ عوام و خواص کے ساتھ علمائے کرام بھی دور و نزدیک سے ان محافل میں شرکت فرماتے اور اپنے مواعظ و بیانات سے حاضرین کو مستفید فرماتے۔ برابر لنگر جاری رہتا اور باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے شاہانہ طریقہ پر عالیشان انتظام کیا جاتا جو دیکھتا حیران رہ جاتا تھا۔

ہندوستان میں یہ بات عام طور سے مشہور تھی کہ علمائے دیوبندی اور علمائے بریلوی اور اُن کے معتقدین آپس میں مل کر نہ بیٹھتے تھے اور ایک دوسرے سے کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ لیکن عیدِ میلاد النبیؐ کے اِن جلسوں میں یہ تمام مختلف الاعتقاد علما، اور حضرات فراخ دلی کے ساتھ شرکت فرماتے اور اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق مثبت تقاریر کرتے اور کوئی اختلاف و مناقشہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ و مجادلہ واقع نہ ہوتا۔ اور سب کے آخر میں حضرت صاحب ایسی جامع تقریر فرماتے

کہ ہر صاحب اعتقاد اپنی جگہ مطمئن ہو جاتا۔ اور کوئی دیوار حد فاصل درمیان میں باقی نہ رہ جاتی۔ عوام و خواص اپنے دلوں سے کدورتیں نکال کر ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو جاتے۔ یہ ایسی کرامت تھی جس نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ کیونکہ یہاں کے علماء اب تک دلوں میں صرف نفرت و کدورت کے بیج بوتے چلے آئے تھے جس نے اسلام کے بعید قریبی فرقوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا۔ لیکن یہ پیر سندھی کا عجیب کمال ہے کہ وہ بھائی بھائی کے دلوں سے عداوت اور دشمنی کو نکال کر محبت و اخوت سے سرشار فرماتے ہیں۔ اور اسی چیز نے لوگوں کو آپ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تولد دختر دوم

یہیں فیض آباد میں حضرت صاحب کی دوسری صاحبزادی حفیظہ بی بی سلمہا کی ولادت ہوئی۔ حضرت صاحب نے شکرِ خداوندی ادا کیا۔ لوگوں نے مبارک بادیاں پیش کیں۔ اُس وقت سے اب تک سب آپ کو شاہزادی صاحبہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالٰے آپ کو امن و امان کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے اور اپنے حبیبؐ کے سایۂ انوار میں ہر طرح سلامت رکھے۔

فیاض علی ایڈوکیٹ

فیاض علی صاحب ایڈوکیٹ ایک بڑے سرگرم سیاسی کارکن تھے۔ یہ مسلمانوں کی وکالت کر کے کئی بار ہندوؤں کو شکست دے چکے تھے۔ یہ آخری الیکشن کے زمانے میں کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہونا چاہتے تھے۔ لیکن انھیں اپنی کامیابی کی زیادہ امید نہیں تھی۔ کیونکہ دیوبندی اعتقاد کے حامل ہونے کی وجہ سے مقابل کا ایک بڑا فرقہ ان کے خلاف تھا اور مسلمانوں کی زیادہ تعداد کانگریس سے کٹ کر مسلم لیگ میں شامل ہو چکی تھی۔ کسی نے فیاض علی صاحب کو مشورہ دیا کہ اگر تم پیر سندھی صاحب کی مدد حاصل کر لو تو الیکشن میں بالضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ شہر کے علاوہ اطراف کے تمام دیہاتوں میں ان کے ہزاروں مریدین و معتقدین ہیں۔ اگر وہ اُن کو حکم دیدیں گے تو سب کے ووٹ تم کو مل جائیں گے۔

فیاض علی صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ اس الیکشن میں میری مدد فرمائیے۔ حضرت صاحب نے جواب میں کہلا دیا کہ کانگریس کے ٹکٹ پر تم کامیاب نہیں ہو سکتے ہاں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کوشش کرو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور نذر یہ ماننی ہو گی کہ جب تم کامیاب ہو جاؤ تو محفل میلاد منعقد کرو گے۔ اگرچہ یہ دونوں باتیں اُن کے نظریہ کے خلاف تھیں۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ بغیر اس کے چارہ نہیں ہے تو دونوں باتیں منظور کیں اور حضور کی خدمت میں دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا ہوں آپ توجہ فرمائیں۔ میں کامیاب ہوا تو محفل میلاد منعقد کروں گا۔ حضرت صاحب نے اپنے تمام مریدین و معتقدین کو جو آپ سے دریافت کرتے تھے کہ ہم کس کو ووٹ دیں، مطلع کر دیا کہ تم سب اپنے ووٹ فیاض علی صاحب کو دو۔

نتیجۃً فیاض علی صاحب کامیاب ہو گئے اور ایک بڑا جلوس لے کر "پیر سندھی زندہ باد" کا نعرہ لگاتے ہوئے قصاب پاڑہ آئے۔ حضرت صاحب اُس وقت مکان کے اندرونی حصہ میں تشریف فرما تھے۔ میاں عطاء الرحمٰن نے جو اس وقت چھوٹے تھے خدمت میں عرض کی کہ ایک ہجوم دروازے پر آیا ہے اور پیر سندھی زندہ باد کا نعرہ لگا رہا ہے۔ حضور بیرونی مکان میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ہجوم تو دہی لوہے کا بڑا پھاٹک کھول کر جوش و خروش کے ساتھ نعرہ لگاتا ہوا اندر چلا آیا اور فیاض علی ایڈوکیٹ نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا میں فیاض علی ہوں اور آپ کی عنایت سے الیکشن میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اب اپنے وعدے کے مطابق محفل میلاد منعقد کرو۔ انھوں نے مسکرا کر عرض کیا۔ میں ضرور اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ اُسی دَوران انھوں نے محفل میلاد منعقد کی۔

یہ فیاض علی صاحب وہاں بیعت نہیں ہوئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد مشرقی پاکستان کے ایڈوکیٹ جنرل ہوئے۔ پھر مغربی پاکستان آکر پورے پاکستان کے ایڈوکیٹ جنرل ہو گئے۔ ان کی دوسری بیگم صاحبہ نے ایک محفل منعقد کی جس میں حضرت پیر نصیر الدین ثانی صاحب کو جو حضرت ....

موہڑہ شریفؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے، اور ہمارے حضرت صاحب کو دعوت دی اور حضرت صاحب سے بعیت کی درخواست کی تو حضرت صاحب نے ان کو بعیت کیا۔ اسی وقت فیاض علی صاحب نے بھی عرض کیا کہ حضور اتنے عرصہ فیض آباد میں رہے لیکن اپنی بدنصیبی سے میں آپ کو نہ پہچان سکا، اور شرفِ غلامی سے محروم رہا۔ ویسے میں ہمیشہ حضور کا احترام کرتا تھا اور حضور کی بزرگی کا قائل تھا۔ اب اگر حضور مجھے بھی بعیت سے سرفراز فرمائیں تو عین مہربانی ہو۔ حضرت صاحب نے اُن کو بھی بعیت فرمایا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ میں رسمی بعیت کا قائل نہیں ہوں بلکہ باقاعدہ صحبت و تربیت کی التجا کرتا ہوں۔ اس طرح انھوں نے سلوک شروع کرنے کے بعد بہت جلد ترقی کی۔ نماز، تلاوت قرآن، ذکر اور مراقبہ میں ایسی استقامت حاصل کی کہ ان کا کام بہت جلد ترقی پذیر ہوا۔ حتیٰ کہ وہ کامل ہو گئے، لیکن مکمّل اور مکمِّل ہونے کے دوران زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جوارِ رحمت میں جا پہنچے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

کرامت کی تعریف

اسلام میں اولیاء اللہ کے ساتھ لفظ کرامت کا تعلق ابتدا ہی سے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے اور چودہ صدیاں گزرنے کے دوران کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا کہ اولیاء اللہ کی کرامتوں سے خالی رہا ہو۔ لیکن اس کی تاریخیں اور روایتیں صرف پیری مریدی سے تعلق رکھنے والے گروہ کے درمیان محدود رہی ہیں۔ اور اسلام کے باقی دیگر گروہ یا تو کرامت کے وجود ہی کے منکر رہے ہیں یا اس کو جوگیوں سناسیوں اور غیر مسلموں کا مشترک کارنامہ سمجھ کر اس سے گریز کی راہیں تلاش کی ہیں۔ یہ محض کرامت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ کرامت کی تعریف سے آگاہ ہوتے تو نہ اس سے انکار کر سکتے اور نہ اسے اسلام کے باہر کی چیز سمجھتے۔ چونکہ یہاں اعلیٰ حضرت مدفیوضہم العالی کی کرامتوں کا ذکر آیا ہے اور واقعات کے ضمن میں آگے بھی اس لیے اگر مختصر اور ہلکی سی روشنی ڈال دی جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

انسان کو اپنی زندگی میں دو قسم کے تجربات ہوتے ہیں۔ ایک وہ واقعات ہیں جن کے اسباب و علل کیفیات و تاثرات اتنے صاف اور نمایاں ہوتے ہیں کہ انسان اُس کے ہر پہلو پر علمی روشنی ڈال سکتا اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ واقعہ اِس طرح، اِس لیے، اس قرینے سے اور اِن اسباب سے واقع ہوا ہے۔ اور چونکہ انسان اس کی نوعیت کو سمجھ لیتا ہے اس لیے کسی حیرت و تعجب کا اظہار نہیں کرتا۔ جیسے کسی مریض کو طبیب دوا دیتا ہے اور وہ اچھا ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی اشکال واقع نہیں ہوتا اِن امورات کو عادات، واقعات اور حادثات کہتے ہیں۔ دوسرے تجربات میں وہ امورات ہیں جن کے اسباب و علل کو سمجھنے میں انسانی علم و عقل ناکارہ ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص اس کے متعلق الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ کیسے واقع ہوئے اس لیے ان کو دیکھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا ہے۔ مثلاً ایک مریض کے لیے کسی نے دعا کی، پانی دم کرکے دیا، یا تعویذ لکھ کر دی اور وہ اچھا ہو گیا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ ان کو قدرت، معجزہ، کرامت، استدراج اور جادو کہتے ہیں۔

قدرت:۔ وہ حیرت انگیز واقعہ جو بغیر کسی دوسرے کی شمولیت کے صرف خدا کی طرف منسوب ہو۔ جیسے پیدا کرنا، مارنا، جِلانا اور پانی برسانا وغیرہ۔

معجزہ:۔ وہ حیرت انگیز واقعہ جو خدا کی قدرت کے ماتحت نبیوں اور رسولوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ جیسے عصا کا اژدہا ہو جانا، چاند کا دو ٹکرے، انگلیوں سے چشمے جاری ہونا وغیرہ۔

کرامت:۔ وہ حیرت انگیز واقعہ جو خدا کی قدرت کے ماتحت بہ اتباع رسولؐ، برائے ہدایت خلق اور بغیر طلبِ شہرت و نمود کے ولیوں، شہیدوں اور صالحوں کی طرف منسوب کیا جائے اس کی مثالیں ہر زمانے میں کثرت سے پائی گئی ہیں۔

استدراج:۔ وہ حیرت انگیز واقعہ جو مسلمانوں یا غیر مسلموں کی طرف خلافِ اتباعِ اور سنتِ رسولؐ منسوب کیا جائے۔ جیسے کسی کو تکلیف دینا، بیمار ڈالنا، دوستوں اور بھائیوں یا میاں بیوی میں نفاق

وافتراق پیدا کرنا وغیرہ (اگرچہ عموماً کافروں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن غیر صالح مسلمان بھی جب اس عمل کفر میں شریک ہوتے ہیں تو استدراج کہا جاتا ہے)۔

جادو :- وہ حیرت انگیز واقعہ جسے قدرت معجزہ اور کرامت کے برخلاف کافروں یا گمراہ مسلمانوں کی طرف منسوب کیا جائے اور نصوص سے اس کی ممانعت ثابت ہو۔ اس کا بیان طوالت کا متقاضی ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ اس کے اسباب دقیق ہوتے اس لیے عوام کیلیے باعث حیرت ہوتا ہے۔

جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزارہا معجزات کا ظہور ہوا اسی طرح آپ کے زمانے کے بعد کرامات کا بھی برابر ظہور ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ کے منکروں پر غالب آنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا "یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلُ" فرمانا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا آیۃ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہ پر خون کا قطرہ گرانا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا خیبر کے دروازے کو اکھاڑ پھینکنا۔ حضرت امام حسنؓ کا پانچ مرتبہ زہر کے اثر کو زائل کرنا۔ حضرت امام حسینؓ کا شکست کے پردے میں فتح حاصل کرنا۔ امام زین العابدینؓ کا راہب مستدرج کو مسلمان کرنا۔ امام محمد باقرؓ کا قتل کے لیے بادشاہ وقت کے سامنے لایا جانا اور بادشاہ کا مرعوب ہو کر تحفہ تحائف پیش کرنا اور معذرت کے ساتھ رخصت کرنا۔ امام جعفر صادقؓ کا خلیفہ منصور کے دربار میں قتل ہونے کے بجائے عزت و احترام کے ساتھ واپس آنا۔ خواجہ حسن بصریؒ کا نماز کی حالت میں ہونا اور کنویں کے پانی کا خود بخود اوپر آجانا۔ حبیب عجمیؒ کا ایک گم شدہ لڑکے کو فوراً گھر پہنچا دینا۔ رابعہ بصریؒ کی دعا سے مردہ گدھے کا زندہ ہونا۔ فضیل بن عیاضؒ کے ہاتھوں میں مٹی کا سونا ہو جانا۔ ابراہیم ادہمؒ کے سامنے مچھلیوں کا سوئیاں لے کر آنا۔ بایزیدؒ کے سامان کا بوجھ اُن کے اونٹ کی پیٹھ سے ایک ہاتھ اوپر فضا میں نظر آنا۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی دعا سے نابینا کا بینا ہو جانا۔ شفیق بلخیؒ کا پھول سونگھتے ہوئے غنیم کی فوج کو شکست دینا۔ معروف کرخیؒ کی

دعا سے فاسقوں کا فوراً تائب ہو جانا۔ جنید بغدادیؒ کا اپنے مرید کے چہرے کی سیاہی کو دور بیٹھے دھوڈالنا۔ خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کا شیخ مجد الدین بغدادیؒ کو شطرنج کھلا کر ولی بنا دینا ابوالحسن خرقانیؒ کا گرم تنور میں ہاتھ ڈال کر زندہ مچھلی نکال لینا۔ غوث الاعظم شیخ جیلانیؒ کا ڈوبی ہوئی کشتی کو صحیح سلامت نکالنا۔ خواجہ اجمیریؒ کا جیپال جوگی کے جادو کو باطل کر کے اُسے گرفتار کرنا اور کلمہ پڑھانا۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا "ہنوز دہلی دور است" کہہ کر غیاث الدین تغلق کا دہلی میں داخلہ روک دینا۔ خواجہ فریدؒ کا اڑتی ہوئی چڑیوں کو مارنا، پھر جلا دینا۔ خواجہ نظام الدین ولی رومیؒ کا اپنے مرید کے ذریعہ باکمال جوگی مستدرج کو مغلوب کرنا اور اپنی خدمت میں فیضیاب کر کے صاحب کمال ولی بنا دینا۔ ایسی بے شمار کرامتیں ہیں جن کا کوئی حساب نہیں۔

ہمارے اعلیٰ حضرت قبلہ مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قاسم کیانی موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے متواتر کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن ایک غریب مفلس پہاڑی باشندہ حضرت قبلہ موہڑہ شریف کی خدمت میں آیا اور الحاح وزاری کے ساتھ اپنے فقر و فاقہ اور فلاکت و تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے نہ کوئی نقد رقم عنایت کی اور نہ کوئی وظیفہ بتایا بلکہ فرمایا تم اپنے گھر واپس لوٹ جاؤ، مگر فلاں فلاں راستے سے جانا۔ وہ اسی راستے سے اپنے گھر روانہ ہوا۔ وہ پہاڑی راستے کی نشیب و فراز وادیوں سے گزرتا ہوا جا رہا تھا کہ اُس نے راستے میں ایک جگہ ایک تھیلی پڑی ہوئی پائی۔ کھول کر دیکھا۔ وہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اٹھا کر لے گیا اور فلاکت سے نجات پائی۔

یہ کرامتیں ہر زمانے اور ہر خطّے میں جاری رہیں اور قیامت تک جاری رہیں گی۔ لیکن جو لوگ کرامت کی تعریف سے ناواقف ہیں وہ اسے اپنے علم و عقل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھلا معجزہ اور کرامت عقل میں آنے والی کہاں؛ جب سمجھ میں نہیں آتی تو انکار کرتے ہیں۔ معجزات کے منکرین تو کافر ہوتے تھے اس لیے کہ اس سے نبی کی نبوت کا انکار ہوتا تھا۔ لیکن کرامت کے منکرین اگرچہ گنہگار

نہیں ہوتے، لیکن یہی کیا کم ہے کہ راہِ ولایت وسلوک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور گنہگار نہ ہونا اِس بنا پر ہے کہ ولیوں کو کرامت کے ظہور کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ چھپا لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث قدسی میں فرمایا۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ سِوَائِیْ (میرے دوست میرے دامن میں چھپے ہوتے ہیں اُنھیں سوا میرے اور کوئی نہیں پہچانتا) اسی لیے تمام ولی اللہ اپنی کرامتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کوئی اُن کی کرامت سے انکار کرتا ہے تو اُسے اپنا دوست اور موافق جانتے ہیں۔ اور محروم ہونا اس بنا پر ہے کہ کرامت کا انکار درحقیقت خدا کی قدرت کا انکار ہے جو کرامت کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہی انکار ایمان کی روشنی کا مانع ہوتا ہے اور راہِ سلوک پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر فیضی

یہ ہمارے حضرت صاحب کے تصرفات میں شباب کا زمانہ تھا۔ قدم قدم پر بے اختیار کرامتیں ظاہر ہوتی تھیں اور پردہ ڈالنے کے باوجود چھپ نہ سکتی تھیں۔ اِن حالات وواقعات کو آنکھوں دیکھنے والے حضرات اس وقت پاکستان میں موجود ہیں۔ جن میں سے ڈاکٹر فیضی جو فیض آباد کے سربرآوردہ خاندان سے ہیں اور آجکل گھگھرانی اسٹریٹ تکارپور میں مطب کر کے مریضوں کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ ایک ملاقات میں اُنھوں نے فرمایا۔ خود انھیں کی زبانی سماعت فرمائیے ــــــ

دانت کا عجیب درد

"حضور جب فیض آباد میں تشریف لائے تو ابتداہی میں میرے خاندان کے اکثر افراد آپ کی بیعت سے شرفیاب ہو چکے تھے۔ لیکن میں نے جدید تعلیم اور آزاد ماحول کے زیرِ اثر اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ غفلت اور بے دینی میں بسر ہو رہی تھی۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر لوگ بیعت کیوں کرتے ہیں اور پیروں کا یہ غیر ضروری ادب واحترام کیوں بجالاتے ہیں۔ اکثر جمعہ کی نماز کے لیے محلہ کی مسجد میں جاتا جہاں حضور خطبہ وامامت فرماتے تھے۔ اور بس نماز پڑھ کر چلا آتا۔

حضور کو فیض آباد میں تشریف لائے دو سال ہو چکے اور مریدین کی تعداد اس قلیل عرصہ میں ہی ڈھائی تین ہزار سے زیادہ ہو چکی تھی۔ مگر میں نے ابتک بیعت نہیں کی تھی۔ اتفاق سے کانپور جانا ہوا اور وہاں پہنچتے ہی دانتوں میں درد شروع ہو گیا۔ پہلے معمولی دواؤں سے کام لیا۔ فائدہ نہ ہوا تو ماہر ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا۔ عجیب درد تھا کہ تمام ڈاکٹر عاجز آگئے اور درد میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ آخر لکھنؤ گیا، وہاں بھی افاقہ کی صورت نظر نہ آئی تو ڈاکٹر قریشی سے ایک دانت اُکھڑوا دیا۔ پھر بھی درد کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ یارہ ہی دن میں اس درجہ نقاہت ہوگئی کہ لوگ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ خاص کر میری والدہ بیحد پریشان تھیں۔ انھوں نے اپنے بھائی جناب بشیر صاحب کو جو حضرت صاحب کے حاضر باش مریدوں میں سے تھے بلا کر کہا کہ تم حضرت صاحب کے پاس لے جاؤ۔

حضور میرے اعزا کی وجہ سے پہلے ہی مجھے جانتے تھے، آپ نے ایک تعویذ عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ پانی میں گھول کر اس سے کُلّی کریں۔ پہلی کُلّی میں درد موقوف ہو گیا۔ دوسری کلّی کے بعد نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ چوبیس گھنٹہ تک غفلت اور آرام کی نیند سوتا رہا۔ جاگتے ہی تیسری کُلّی کی اور پندرہ دن کے بعد خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر میں نے غور کیا کہ کاغذ کے ایک پُرزے میں ٹیڑھی ترچھی لکیریں دواؤں سے زیادہ کیونکر مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ یقیناً یہ ناقابل فہم اثرات حضور کی کرامتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ صاحبِ تصرف ولی ہیں۔ آرام ہوتے ہی میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیعت کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا۔ "جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں آنا"۔ اور بعد نماز جمعہ آپ نے مجھے بیعت فرمالیا۔ پھر میں باقاعدہ پابندی کے ساتھ حاضری دینے اور راہِ سلوک میں قدم اٹھانے لگا۔

چونکہ خاندان ترقی یافتہ اور علومِ جدیدہ کا دلدادہ تھا اس لیے میری تعلیم اُردو اور انگریزی سے شروع کی گئی تھی اور میں نے قرآن کریم نہیں پڑھا تھا۔ ایک روز حضور نے پوچھا "قرآن کی تلاوت کرتے ہو؟" میں نے نفی میں سر ہلایا تو آپ نے فرمایا۔ "قرآن پڑھا کرو!" اب جو میں نے قرآن کھول کر دیکھا

تو معلوم ہوا کہ میں آسانی سے تلاوت کر سکتا ہوں۔ کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی اور میں روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگا۔ اور کچھ ایسا لطف آتا کہ صبح بغیر تلاوت کے تسکین نہ ہوتی۔

جلسوں اور میلادوں کے موقعوں پر نعتیں پڑھا کرتا تھا۔ لیکن خود کبھی کچھ نہ کہہ سکا تھا۔ ایک دن حضور نے فرمایا۔ "تم خود کیوں نہیں کہتے؟ کہا کرو"! اب جو میں نے غور و فکر کرنا شروع کیا تو آسانی سے نعتیہ اشعار موزوں کرنے لگا۔ اس طرح شاعری کی بھی ابتدا ہو گئی۔ اور حضور کی ہمت افزائیوں نے مجھے شاعروں کی صف میں بٹھا دیا۔ حضور کی یہ کرامتیں کچھ میرے ہی ساتھ نہیں ہر شخص کے ساتھ ایسی ہی کراماتوں کا ظہور ہوتا تھا اور لوگ کامل اعتقاد کے ساتھ حضور کی طرف کھنچتے چلے آتے تھے اور شرف غلامی سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔

گمشدہ بچے کی واپسی

ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آشفتہ اور پریشان حال آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے عرض کی کہ اس کا لڑکا گم ہو گیا ہے۔ عرصہ سے اُس کا پتہ نہیں۔ اس افتاد نے ماں باپ کے علاوہ اعزا کو بھی رنج و عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ نذر کے لیے کچھ روپیہ اور کپڑا بھی لایا تھا۔ حضور نے روپیہ اپنے ہی مدرسہ کے مہتمم کو عنایت فرمایا کہ مدرسے کے صرف میں لایا جائے۔ اور کپڑا حضرت شاہ بی بی صاحبہ کے سر پر (جو اس وقت بہت چھوٹی اور سامنے بیٹھی تھیں) ڈال دیا اور فرمایا۔ "ان کا بچہ گم ہو گیا ہے دعا کرو جلدی آجائے"۔ اُس وقت دوپہر کے ڈیڑھ بجے تھے۔ دوسرے دن اسی وقت وہ آدمی اپنے بچے کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یہی بچہ ہے جو گم ہو گیا تھا حضور کی دعا سے واپس آ گیا ہے۔ حضور نے بچے سے پوچھا۔ "اب تک تم کہاں تھے اور کیسے آئے؟"

اُس بچے نے بتایا کہ مجھے کانپور کے ایک سکھ نے اپنے مکان میں قید کر رکھا تھا۔ وہاں مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مگر گھر سے باہر نکلنے بلکہ دروازے تک آنے کی بھی اجازت نہ تھی سکھ نے

اپنی بیوی سے سخت تاکید کر دی تھی کہ وہ مجھے دروازے پر نہ جانے دے۔ کل شام دروازے کے باہر بھوسا بیچنے والا آواز لگاتا ہوا جا رہا تھا۔ سکھ کی بیوی نے پہلے خود آواز دی۔ لیکن اس کی آواز بھوسے والے تک نہ پہنچی تو اُس نے مجھ سے کہا کہ دروازہ کھول کر اُسے بلا لوں۔ میں نے دروازہ کھول کر اُسے آواز دی۔ وہ آگے نکل چکا تھا۔ میری آواز پر واپس لوٹا۔ اُس کے آنے تک میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ بھاگو۔ اور میں باہر آتے ہی بے تحاشا بھاگا۔ اسٹیشن پہنچا تو گاڑی تیار تھی میں بغیر ٹکٹ اس میں بیٹھ گیا۔ کسی نے مجھے نہیں روکا۔ میں آرام سے گھر چلا آیا۔

موتی محل

کچھ روز کے بعد حضور شہر سے باہر دریائے گھاگھرا (سرجو ندی) کے کنارے موتی محل میں جو نواب شجاع الدولہ والیٔ اودھ کا بنایا ہوا بڑا وسیع و عریض اور اب ایک خستہ حال محل تھا تشریف لا کر اقامت گزین ہوئے۔ اس محل میں رہائش کے لیے کافی گنجائش کے ساتھ پائیں باغ اور مسجد بھی تھی۔ حضور نے یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس میں تعلیم کے ساتھ مروجہ فنون بھی سکھائے جاتے تھے اس مدرسہ نے بہت جلد ایک کامیاب درسگاہ کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ ان امورات میں شیخ حبیب اللہ ڈپٹی کلکٹر بشیر حید رصاحب اور ہاشم سوداگران نے (جن کے خاندان سے بھائی حسین علی صاحب کاظم رضا مارکیٹ بندر روڈ کراچی میں اس وقت موجود ہیں اور حضرت صاحب کے جاں نثار مریدوں میں ہیں) پوری جدوجہد سے کام لیا۔ اور حضور کے مبارک قدموں نے اس شاہی محل کو جو عرصہ دراز سے ویران پڑا تھا ایک بار پھر اپنے انوار سے منور کر دیا۔ جہاں عوام الناس، صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو اور سکھ افراد بھی ظاہری و باطنی فیوضات حاصل کرتے اور اکثر ان میں سے مسلمان ہو جاتے تھے۔

کمالِ توکل

ڈپٹی بشیر حید رصاحب سٹی مجسٹریٹ مستعدی سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن انگریز کلکٹر کو لے کر حضور کی خدمت میں آئے۔ وہ حضور کی زیارت سے

بید متاثر ہوا اور عرض کیا کہ اگر حضور قبول فرمائیں تو ہم آپ کے مدرسہ کے لیے سرکاری امداد کا انتظام کر دیں۔ حضور نے فرمایا "ہم اُس سے مانگتے اور لیتے ہیں جو آپ کو بھی دیتا ہے۔

ایک پارسی خاتون کا قبول اسلام

مسز نوروزجو خواتین کیلیے آنریری مجسٹریٹ تھیں بڑے اعتقاد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ پہلی مرتبہ جب وہ آئیں تو حضور نے ان کے حسن ظاہر کی تعریف میں ارشاد فرمایا "کاش آپ کا باطن، یعنی قلب و روح بھی ایسے ہی حسین و نورانی ہوتے"۔ اُنھوں نے اس بات کی مزید وضاحت چاہی تو فرمایا "آپ کے دل میں صفائی اور روح میں کوئی روشنی نہیں ہے"۔ انھوں نے کہا "میں کیا کروں کہ صفائی اور روشنی پیدا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا "کلمہ پڑھو اور برابر پڑھتی رہو یہ دونوں چیزیں بھی تم کو حاصل ہو جائیں گی"۔ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں تو حضور نے فرمایا "اس حسین صورت اور نازک جسم کو دوزخ میں نہیں جلنا چاہیے تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اِسے آگ سے بچا لیا۔

خدمت و تعلیم

حضور ناشتے کے بعد کمرک کے ایک درخت کے نیچے کرسی پر رونق افروز ہوتے۔ اُس وقت سے نماز ظہر تک حاجت مندوں، سوالیوں اور طالبان دُعا کا تانتا بندھا رہتا۔ پھر حضور اندر تشریف لے جاتے اور عصر سے پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مغرب کے بعد مراقبہ اور تعلیم جاری رہتی۔ عشا کے بعد اکثر مجالس و محافل میں تشریف لے جاتے اور ہمہ وقت خدمات میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت صاحب نے موتی محل میں جو مدرسہ قائم فرمایا تھا اُس میں عربی فارسی اور اُردو کی باقاعدہ تعلیم کے ساتھ فنون و دستکاری کا بھی انتظام تھا تاکہ مدرسہ کے فارغ التحصیل اپنی زندگی میں علم اور ہنر دونوں سے یکساں مستفید ہو سکیں۔ نیز تعلیم بالغان کے ساتھ سلوک و

تصوف کی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لی۔ اور اس قلیل عرصہ میں ہی سالکوں کی ایک معتدبہ تعداد دستار و خلافت اور اجازتِ بیعت سے مشرف ہو کر اپنی اپنی جگہ رشد و ہدایت کیلیے مقرر ہوگئی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و اکرام تھا حضور اکثر ارشاد فرماتے کہ حکومتِ برطانیہ کی مخالفانہ کوششیں جو بظاہر نامرغوب نظر آتی تھیں ان کے ذریعہ فیض آباد میں مشیئتِ خداوندی کا ظاہر ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ دشمنوں سے بھی دوستوں کا کام نکال لیتا ہے ع :-

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد (ترجمہ) بھلائی ملتی ہے دشمن سے گر خدا چاہے

اس طرح فیض آباد اور باشندگانِ فیض آباد حضرت صاحب کے اس عارضی قیام سے بے حد فیضیاب ہوئے اور حضرت صاحب کی تشریف آوری پر خدا کا شکر بجا لاتے رہے۔

ہمشیرہ کی سندھ میں واپسی

اس کے برخلاف سندھ کے باشندے، مریدین و معتقدین حضور کے فیض آباد تشریف لے جانے کی وجہ سے بہت غمگین و افسردہ تھے۔ اِن میں سے بعض حضرات نے بے چین و بے قرار ہو کر فیض آباد کا سفر کیا اور حضور کی قدمبوسی سے تسکین حاصل کر کے واپس آئے۔ لیکن پیر قطب شاہ صاحب نے تو حضور کی قدمبوسی کے اشتیاق میں سندھ سے فیض آباد (یو۔پی) تک پیدل سفر کیا اور حضور کے دیدارِ پُر انوار سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی فرحت حاصل کی۔ یہ پیر قطب شاہ صاحب حضرت صاحب کے خلفاء میں انتہائی مقامات رسیدہ اور ارفع و اعلیٰ مراتب کے حامل بزرگ ہیں جنھوں نے عشقِ الٰہی میں سرشار ہو کر نکاح کی طرف رغبت ہی نہیں کی اور دیدارِ الٰہی کے شوق میں مستغرق ہو کر بینائی سے معذور ہو گئے۔ آج کل ہالہ میں مستقل قیام پذیر ہیں اور اب بھی اپنی ضعیفی اور نابینائی کے باوجود ہالہ سے حضور کی قدمبوسی کے لیے پیدل حیدرآباد تشریف لاتے ہیں۔ کچھ روز مصطفیٰ مسجد میں قیام فرماتے ہیں اور پھر واپس لوٹ جاتے ہیں۔

فیض آباد پہنچنے والے سندھی اخوان کی زبانی اور خطوط کے ذریعہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کے لوگ حضرت صاحب کی مفارقت اور دُوری کی وجہ سے بہت بے قرار اور پریشان ہیں۔ ان میں سے بعض نے درخواست کی کہ اگر حضور تشریف نہ لائیں تو اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو سندھ آنے کی اجازت فرمادیں تاکہ اپنی تعلیم و تربیت اور حلقۂ ذکر و اذکار سے خانقاہِ مصطفائی کو آباد رکھیں حضرت صاحب نے مریدین کی اس درخواست کو منظور فرماکر اجازت دیدی۔ اپنا پیراہنِ عنبر سرشت اپنے بدنِ مبارک سے اتار کر اپنی ہمشیرہ کو دیا، ہدایت وارشاد کے دستور دیے، ام الفقرا کا لقب عنایت فرمایا اور اپنی نیابت میں خواتین کو بیعت کرنے اور انھیں ذکر و مراقبہ اور سلوک کی تعلیم دینے کی اجازت دی۔ نیز اپنی تین سال کی بچی نابعۂ، یعنی شاہ بی بی صاحبہ کو بھی اُن کے ساتھ روانہ کردیا تاکہ سندھ کے اخوان حضور کی جدائی میں تسکین حاصل کریں۔ آپ اپنی ہمشیرہ ام الفقرا کو رخصت کرنے کیلیے ایک بڑی جماعت کے ہمراہ اسٹیشن تک تشریف لائے اور غلام رسول صاحب کو ان کی روانگی کی اطلاع دیدی۔ اس طرح ۱۹۴۳ء میں آپ کی ہمشیرہ سندھ واپس چلی آئیں۔

یہ غلام رسول صاحب بھگیو کچہری میں سررشتہ دار تھے۔ اور جب حضرت صاحب کچہری میں تشریف لائے تھے تو ایک ہی نظر میں گرویدہ ہوگئے تھے۔ اور حضور کے بنگلہ کنٹونمنٹ میں آکر اپنے بھائی امید علی کے ہمراہ شرفِ بیعت حاصل کرچکے تھے۔ یہ دونوں بھائی بڑے پرخلوص اور جان نثار مرید تھے۔ حضرت صاحب نے ان کو اطلاع کی کہ ہمشیرہ ام الفقرا مع دختر شاہ بی بی صاحبہ سلمہا کے حیدرآباد جارہی ہیں اسٹیشن پہ آکر اتار لیں۔

حیدرآباد میں ام الفقرا کا وُرود

جس وقت ٹرین حیدرآباد کے اسٹیشن پہ پہنچی غلام رسول صاحب اخوان و محبان کی ایک جماعت کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے۔ بڑی مسرت و خوشی اور اعزاز و اکرام کے ساتھ لاکر ایک مکان میں جو پہلے سے آراستہ

کیا گیا تھا ٹھہرا دیا۔ ام الفقراء نے آتے ہی حلقۂ ذکر و مراقبہ شروع کر دیا۔ جمعرات کو زنانہ حلقہ اور پیر کو مردانہ حلقہ ہوتا تھا۔ پیر خانے کے لنگر کا انتظام مردوں میں غلام رسول صاحب اور خواتین میں اُن کی بیگم صاحبہ فرماتی تھیں اور یہ دونوں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ رات دن انتظام میں مصروف رہتے اور بے تحاشا خرچ کرتے تھے۔ زنانے اور مردانے میں وسیع دسترخوان بچھائے جاتے اور دوستوں اور مریدوں کی کثیر تعداد اس حاضری میں شامل ہوتی ہفتہ میں دو روز عام لنگر جاری ہوتا اور اس کا سارا خرچ غلام رسول صاحب خود برداشت کرتے تھے۔ انتظام میں اُن کا ہاتھ بٹانے کے لیے چند دوسرے اخوان بھی حصّہ لیتے اور محمد رمضان صاحب اور اُن کی اہلیہ تو پیر خانے ہی میں ٹھہر جاتے اور دل و جان سے خدمت کرتے تھے۔ مردانہ حلقۂ ذکر میں پیر قطب شاہ ذکر و مراقبہ کراتے تھے۔ ہر شخص بڑے ولولہ کے ساتھ اس حلقۂ ذکر میں شرکت کرتا اور فیوضاتِ ظاہری و باطنی سے مستفیض ہوتا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ وہ جس قدر پیر خانہ کی خدمت اور انتظامی امور میں جدوجہد کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اتنی ہی برکت دعافیت عطا فرمائے گا۔ اس طرح ایک سال کی مدت میں حلقۂ ذکر میں کافی ترقی ہو گئی اور مصطفائی لنگر کے ذریعہ تمام اخوان و خادمان کو وہ برکت دعافیت نصیب ہوئی کہ ہر ایک اس کا معترف تھا اور ایک دوسرے سے ذکر کرتا تھا کہ ہم جتنا کچھ خرچ کرتے اور محنت اُٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا دس گنا ہمیں عطا فرماتا ہے۔

امّ الفقراء کا حج اوّل

۱۹۴۲ء میں ام الفقراء نے حج بیت اللہ شریف کا ارادہ کیا۔ حضرت صاحب سے اجازت حاصل کرنے اور اُن کی قدمبوسی سے شرفیاب ہونے کے لیے فیض آباد گئیں اور شاہ بی بی صاحبہ سلمہا کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اس لیے چند گھنٹہ فیض آباد میں ٹھہرنے اور اپنے پیر و مرشد کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد اجازت چاہی تو حضرت صاحب نے شاہ بی بی صاحبہ کو اپنے پاس رکھ لیا اور بڑی خوشدلی کے ساتھ سفرِ حج کی اجازت فرمائی، اپنے چند مریدوں اور دوستوں کے ساتھ اسٹیشن تک تشریف لائے اور اپنے ایک مرید مخلص محمد امین صاحب

کے ساتھ رخصت کر دیا۔

صبح کے وقت جب ٹرین حیدر آباد پہنچی تو غلام رسول صاحب دیگر اخوان کے ساتھ اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دو چار روز حیدر آباد میں قیام کے بعد حج کے لیے روانگی ہوگی۔ اس لیے وہ کوئی سامان جو ام الفقراء کے ساتھ جانے والا تھا اپنے ہمراہ نہ لائے۔ لیکن چونکہ جہاز "اکبر" کے روانہ ہونے میں چند گھنٹوں سے زیادہ وقت نہیں تھا اس لیے وہ بغیر سامان و زادِ راہ کے کراچی روانہ ہوگئیں اور کہہ دیا کہ سامان حاجی کیمپ پہنچا دیا جائے۔ جب کراچی اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو معلوم ہوا کہ جہاز ابھی فوراً چھوٹنے والا ہے اس لیے سیدھے بندرگاہ چلی آئیں۔ حاجیوں کے علاوہ دوسروں کو سفر کی اجازت نہ تھی، محمد امین صاحب کو بھی رخصت کرنا پڑا۔ اور خود یکّہ و تنہا بغیر زادِ راہ اور اسباب کے روانہ ہوگئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و مہربانی تھی کہ ابتدا ہی سے اپنی اس مہمان کو تمام اسباب و علائق سے فارغ کر دیا۔ جیسے ہی وہ جہاز پر سوار ہوئیں جہاز روانہ ہوگیا۔ انھوں نے دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی کہ ہر چیز سے سُبک دوش ہو کر اپنے محبوب کے گھر کی طرف جا تی ہیں۔

سمندر میں

یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا اور تین سال ہندوستان کے لوگ حج بیت اللہ شریف کے لیے نہ جا سکے تھے۔ یہ پہلا جہاز تھا جو تقریباً دو ہزار مسافروں کو لے کر روانہ ہوا تھا، اور جنگی خطرات کی وجہ سے اپنا راستہ چھوڑ کر خلافِ راہ جا رہا تھا۔ اتفاقاً یلملم کے مقام پر جہاں احرام باندھا جاتا ہے راستہ بھول گیا اور چار روز تک سمندر میں لنگر انداز رہا۔ آخر بارہ روز کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جدّہ پہنچ گیا۔

ارضِ حجاز

بندرگاہ پر حاجیوں کو لینے کے لیے بہت خادمین و معلمین آئے ہوئے تھے۔ ہر ایک حاجی اپنے اپنے معلم (ایجنٹ) کے ساتھ جہاز سے اپنا سامان اتار رہا تھا۔ اور یہ بے سرو سامان حاجیہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی اور امرِ حق کی منتظر تھی کہ دیکھیے مسبب الاسباب کی

طرف سے کیا پیش آتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں خدا کی طرف سے ایک معلم "یا اُمُّ الفقراء" آواز دیتا ہوا سامنے آیا اور عربی میں پوچھا "تمھارا سامان کہاں ہے؟" انھوں نے عربی میں جواب دیا "میرے پاس سامان نہیں ہے۔ بس یہ ایک ٹوکری ہے۔" اِس ٹوکری میں ایک لوٹا، ایک جگ وضو کے لیے اور ایک مصلیٰ تھا۔ وہ معلم ٹوکری اُٹھا کر آگے بڑھا اور سخت حیران تھا کہ سکنڈ کلاس کا مسافر اور اس کے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔

وہ بھی نہ رہی

ٹوکری ہاتھ میں لیے وہ معلم آگے اور ام الفقرا اُس کے پیچھے جہاز سے اترے ٹکٹ اور پاسپورٹ دکھانے کے لیے ٹوکری کو ایک کنارے رکھ کر انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ اپنی باری پر ضروری بازدید سے فارغ ہو کر آگے بڑھیں گے۔ اب جو دیکھتے ہیں ٹوکری غائب۔ کوئی بندۂ خدا اُدھر سے گزرا اور سہواً ٹوکری اُٹھا لے گیا۔ معلم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر لپکا۔ مگر ام الفقرا نے اُسے یہ کہہ کر منع کر دیا۔ "چھوڑو، لے جانے دو، یہ بھی من جانب اللہ ہے۔ خدا اپنی اس بندی کو ہر طرف سے فارغ کر دینا چاہتا ہے۔ پھر وہ اس کے ساتھ شہر جدہ میں معلم عبدالحی داؤد کے مکان پر آئیں۔ اُن کی بیوی بڑی نیک اور مہمان نواز تھیں۔ اُنھوں نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس بے سروسامان مہمان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور خدمت میں مصروف ہو گئیں۔ رات کو معلم نے آ کر مسروقہ سامان کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ کل صبح اسباب خانہ (گدام) میں جا کر تلاش کرے گا۔ وہاں حاجیوں کا گم شدہ سامان جمع کر لیا جاتا ہے اور لوگ اپنا اپنا سامان پہچان کر لے لیتے ہیں۔ لیکن ام الفقرا نے جواب دیا "ہم سامان نہیں چاہتے۔ ہمیں نشانی دینے کی ضرورت نہیں۔ جہاں جانا تھا چلا گیا۔ اب اس کی کوئی فکر نہ کرو۔

زیارت مکہ شریف

تین روز کے بعد معلم نے اپنی خاص موٹر کار میں اپنی بیوی کے ساتھ ام الفقرا کو بھی مکۂ معظمہ پہنچا دیا۔ وہاں طوافِ عمرہ سے فارغ ہو کر

معلم نے اپنی ہمشیرہ کے مکان میں پہنچا دیا۔ ایک ہفتہ کے بعد ام الفقراء کے کہنے پر کرایہ کا ایک مکان لے لیا جہاں تین مہینے تک ام الفقراء نے گوشۂ تنہائی میں تمام دنیاوی علائق سے کنارے اور تدابیر و ذرایع سے دست بردار ہو کر کامل توکل میں بسر کیا اور ہمہ وقت ادائے فرائض و نوافل میں مشغول و مصروف رہیں۔

زیارتِ مدینہ منورہ فریضۂ حج ادا کرنے اور رسومِ مناسک سے فارغ ہونے کے بعد ام الفقراء مدینہ منورہ آئیں۔ وہاں حبیبِ خدا محمد مصطفٰے روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بے سروسامان حاجیہ مسافرہ کو بڑی شفقت رحمت اور عنایت سے نو ماہ تک مہمان رکھا اور ایسے انعام و اکرام سے نوازش فرمائی جن کا بیان کرنا ممکن نہیں۔

حجِ ثانی[1] اب سال پورا ہو کر حج کے ایام شروع ہو رہے تھے اس لیے مکہ معظمہ میں آکر پہلے کی طرح دوسرے سال بھی ارکانِ حج ادا کیے اور عنایتِ خداوندی سے مالامال ہو کر واپس مدینہ منورہ چلی آئیں اور دوبارہ تین مہینے رحمۃ للعالمین صلعم کے روضۂ مبارک کے زیرِ سایہ بسر کیے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے یہ ڈیڑھ سال زندگی کے مبارک سرمایہ تھے اور ان دنوں میں جو روحانی عروج و ترقی اور سکینتِ قلب حاصل ہوئی بیان سے باہر ہے۔ اگرچہ اس سال عربستان میں قحط سالی تھی ضرورت کی چیزیں اور سامانِ خورد و نوش بہت گراں ہو گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا فضل شاملِ حال تھا کہ نہ ضرورتیں سر اٹھاتی تھیں نہ کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا تھا۔ ہر غل و غش سے بے نیازی کے عالم میں روحانی ترقیاں نصیب ہوتی رہیں۔ حالات روز افزوں درخشان و تاباں ہوتے چلے گئے۔ فالحمدُ للہ

---

[1] اِس وقت حضرت امی جان صاحبہ تیسرے حج کے لیے تشریف لے گئی ہیں۔ ۱۳۸۹ھ۔ ذی الحجہ۔

مکاشفات یہ کچھ ایسے جذب و انہماک کا زمانہ تھا کہ باطنی معاملات بہت بلند ہو گئے۔ اکثر و بیشتر زیارتِ جمالِ بے مثالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور اور آلِ عبا کے دیدارِ پُر انوار نصیب ہوتے رہے اور خواب و بیداری میں ایسے ایسے انعام واکرام سے نوازا گیا کہ زبانِ تشکر گونگی ہو کر رہ گئی۔ اور ماسوی اللہ کی فراموشی نے ایسا سرورِ قلبی اور ذوق و شوق و تواجد بخشا کہ ہندوستان واپس لوٹنے کا تصور و خیال ہی دل سے جاتا رہا۔

مژدۂ تولد دخترِ سوم ایک دن حضرت صاحب کا مکتوب گرامی جس میں تیسری دختر رقیہ یعنی شاہ باجی سلمہا کی پیدائش کا مژدہ تھا مدینہ منورہ پہنچا اس میں اعلیٰ حضرت نے حکم دیا تھا کہ مدینہ منورہ سے ہندوستان چلی آؤ۔ پس ام الفقرا نے پیر کے حکم اطاعت فرض جان کر ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اپنی ایک ساتھی کے ساتھ جن کا نام حجن امام بی بی تھا مدینہ سے مکہ معظمہ چلی آئیں۔ یہ امام بی بی ایک تعلیم یافتہ تجربہ کار اور بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ انھوں نے ام الفقراء کے ساتھ اپنا نواں اور دسواں حج ادا کیا تھا۔ وہ بھی ام الفقرا کی رفاقت میں مکہ معظمہ آئیں اور چند عمرے ادا کرنے کے بعد سنہ ۱۹۴۶ء میں جدہ آکر ہندوستان کے لیے روانہ ہو گئیں۔

حیدر آباد آنا کراچی میں جہاز سے اترتے ہی غلام رسول صاحب اور سندھ کے دیگر اخوان و محبان نے دونوں زائراتِ حجاز کا استقبال کیا اور بڑی مسرت و عزت و احترام کے ساتھ حیدر آباد لے آئے اور اسی مکان میں جس میں پہلے سکونت رہ چکی تھی قیام ہوا تو متعلق و معتقد مردوں اور عورتوں نے گروہ در گروہ پیر خانے میں آکر ملاقات کی اور بڑی خوشی کے ساتھ حج کی خوش نصیبی اور حضرت صاحب کی دختر کی پیدائش پر

مبارک بادیاں پیش کیں اور کچھ روز اسی انہماک میں گزر گئے۔

فیض آباد آنا حضرت صاحب کے حکم کے مطابق ۱۹۴۶ء میں حیدر آباد سے روانہ ہو کر ام الفقرا فیض آباد پہنچیں۔ وہاں حضرت صاحب کی شفقت وعنایت سے اخوان ومحبان نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اسٹیشن سے موتی محل تک ایک جلوس کی شکل میں لے گئے۔ ام الفقرا نے حضرت صاحب کی زیارت وقدمبوسی اور تینوں بچیوں کے دیدار سے سرور حاصل کیا۔

اس وقت حضرت صاحب فیض آباد کے باعزت وبارسوخ لوگوں میں بے حد مقبول و محبوب ہو چکے تھے جنھوں نے بہو بیگم زوجہ شجاع الدولہ والی اودھ کے بنائے ہوئے موتی محل کو ۹۹ سال کے پٹے پر دلا دیا تھا۔ اور حضرت صاحب نے اس میں ایک مدرسہ، ایک صنعتی کارخانہ دستکاری سکھانے کے لیے جاری فرما کر مستقل خدمتِ خلق کا انتظام فرمایا تھا جسے ہر خاص وعام کے تعاون سے روز افزوں ترقی حاصل ہو رہی تھی۔

استقلال پاکستان

انقلاب ہند ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا، اور ہندوؤں سکھوں اور جاٹوں کے ہاتھوں جو افتاد پڑی تاریخ میں بہت کم اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اگرچہ یہ سب کچھ دشمنانِ اسلام کی سوچی سمجھی اور مرتب تجاویز کے ماتحت ہوا لیکن اس میں اللہ تعالیٰ نے غریب ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بخشش ونجات کا دروازہ کھول دیا تھا۔
وہ عام مسلمان جو اپنے حساب وکتاب کی آسانی اور فلاح ونجات کی امید تک نہ کر سکتے تھے شہید ہو کر جنت الفردوس کو سدھارنے لگے۔ اور باقی مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو جائے امن و

سلامتی اور ذریعۂ خیر و ثبات بنا دیا۔ 'الامان'۔ اس عرصہ دار و گیر میں جو کچھ نہ گزرنا چاہیے تھا گزر گیا۔ اور بعض علاقوں کے مسلمان جس سراسیمگی، ہراسانی، پریشانی اور خوف و خطر کی حالت میں ترکِ وطن کرنے پر مجبور ہوئے نہ قوتِ تقریر ہے کہ بیان کیا جائے نہ قلم کو یارا ہے کہ تحریر میں لایا جائے[1] لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے مومنین و محسنین بندوں، درویشوں اور فقیروں کو سلامتی کا وعدہ دیا ہے اور ظالموں فاسقوں کو اپنے بے اندازہ حلم کے ماتحت مہلت کا عرصہ عنایت فرمایا ہے اور موقع دیا ہے کہ مسلمانوں کے دونوں فریق خاکِ پاکستان کو اپنا ماویٰ و ملجا بنائیں۔ یعنی نیک لوگ اپنے استحسان سے ہدایت کا راستہ دکھائیں اور بدکردار مہلتِ خداوندی کو غنیمت جان کر اُس کے دربار میں توبہ کریں۔ اس طرح خوش نصیب لوگ خیر و صواب کی طرف دوڑے۔ اور محروم القسمت لوگوں نے فلاح و نجات کا راستہ تلاش نہ کیا۔

ہندوانِ حیدرآباد ہندوستان کی تقسیم سے پہلے حیدرآباد سندھ "ہندوستان کا پیرس" مشہور تھا۔ یہاں کے ہندو اور سکھ بڑے ناز و نعمت کے ساتھ معیاری زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مسلمان اگرچہ اکثریت میں تھے، لیکن انھوں نے اپنی تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اور دولت و سرمایہ جو پشتہا پشت سے چلا آرہا تھا اپنے رسم و رواج اور ناعاقبت اندیشی کی بنا پر ہندوؤں کے سپرد کر دیا تھا۔ اور خود نہایت تنگی و عسرت اور مفلسی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن جب ۱۹۴۷ء کا انقلاب رونما ہوا تو وہ اپنی جان و مال کے خوف سے لرزنے لگے۔ کیونکہ ظالم خود اپنے ظلم سے ڈرتا ہے اور کسی کے حلم و رواداری کا اعتماد نہ کر کے اپنے پاؤں میں کلھاڑی مار لیتا ہے۔

جب انھوں نے ہندوستان میں ہندوؤں کے مظالم کی خبریں سنیں اور ہندوستان سے کثیر تعداد میں مہاجرین سندھ آنے لگے تو اگرچہ پاکستان میں کبھی انتقام کی رسّی کو ڈھیل نہیں دی گئی، مگر

---

[1] ان فسادات کی ابتدا الہ آباد سے ہوئی ہے۔ مترجم نے الہ آباد، کلکتہ، نواکھالی، بہار اور گڑھ مکتیسر کے مصدقہ حالات نظم کر کے رکھ لیے ہیں جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔

وہ خود اپنی جگہ خوفِ انتقام سے ڈر گئے اور اپنی غیر منقولہ جائداد چھوڑ کر ہندوستان بھاگنے لگے۔

بعض ہندو جو غلام رسول صاحب کے ہمسایہ تھے دوستی اور رسوخ کی بنا پر اپنے مکان انھیں سپرد کر گئے۔ غلام رسول صاحب نے اسی وقت اُن سے کہہ دیا تھا کہ ہم تمھارے مکان میں اپنے پیر صاحب کو آباد کریں گے۔ اور تمھارے مکان کی پوری نگہداشت کی جائے گی۔ جب آپ لوگ واپس آئیں گے تو جیسا آپ چھوڑ کر جا رہے ہیں ویسے ہی واپس کر دیا جائے گا۔ وہ لوگ حضرت صاحب کا نام سن کر خوش ہو گئے۔ اور اطمینان کے ساتھ رضامندی ظاہر کی۔ اس کے بعد غلام رسول صاحب نے حضرت صاحب کو لکھا کہ ہمارے گھر کے قریب دو مکان آپ کے لیے اور آپ کی ہمشیرہ ام الفقراء کے لیے ان کے مالکان نے مخصوص کر دیا ہے اس لیے اگر حضور مناسب جانیں تو حیدرآباد تشریف لے آئیں۔

ام الفقراء کی حیدرآباد واپسی

حضرت صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق (کہ سندھ میں جا کر بسو) اس موقع کو من جانب اللہ غنیمت جانا اور فیض آباد سے حیدرآباد آنے کا ارادہ کر لیا۔ ہندوستان میں قتل و خونریزی شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے حرم، ہمشیرہ اور دختران کو چند مخلص مریدوں کے ہمراہ حیدرآباد پاک روانہ فرما دیا۔ اور خود یہ کہہ کر فیض آباد میں ٹھہر گیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے۔

ام الفقراء حضرت صاحب کی بیوی صاحبہ اور ان کی دختروں کے ساتھ کھوکھراپار کے راستے سنہ ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد پہنچ گئیں اور اسی موجودہ مکان کے بالائی حصہ میں مقیم ہو گئیں۔ غلام رسول صاحب پہلے کی طرح میزبانی کا حق ادا کرتے رہے۔ اُن کی سخاوت اور مہمان نوازی نے کسی چیز کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ وہ اور اُن کی بیگم صاحبہ ہر وقت پیر خانہ کی خدمت بجا لاتے رہے۔

حضرت صاحب کی تشریف آوری

حضرت صاحب اپنے اہلِ بیت کو پاکستان روانہ کرنے کے بعد تقریباً دو ماہ فیض آباد میں

مقیم رہے۔ مدرسہ کو کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ اساس البیت میں سے جو چیزیں مدرسہ میں کام آنے والی تھیں مدرسہ کو دے کر باقی چیزیں نیلام کر دیں اور وہ رقم بھی مدرسہ کو سپرد کر کے پاکستان آنے کیلیے تیار ہو گئے۔

اس وقت ہندوستان سے پاکستان آنا بہت دشوار تھا مسلمانوں کو بہانے بہانے تنگ کیا جاتا۔ سامان کی جانچ پڑتال میں قیمتی چیزیں ضایع کی جاتیں یا چھین لی جاتی تھیں۔ پاکستان آنے والوں کو بلاوجہ روک کر مردوں، عورتوں اور بچوں کو پریشان کیا جاتا مسلمان اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر لے کر پاکستان کے لیے روانہ ہوتے۔ اکثر پوری کی پوری ٹرینیں قتل کر دی جاتیں اور صرف لاشیں پاکستان پہنچتی تھیں۔ ان واقعات نے مسلمانوں پر ایسا خوف مسلط کر دیا تھا کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی حالت میں مبتلا تھے لیکن اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ حضرت صاحب نے اطمینان سے سفر کا ارادہ کر کے کمشنر فیض آباد کو اپنی روانگی کی درخواست دی جو فوراً منظور ہو گئی۔ حضرت صاحب اپنے خادم خاص محمد صادق صاحب کو ساتھ لے کر شیک یار خالی ہاتھ موتی محل سے روانہ ہوئے۔ آپ کے پاس صرف دس یا پندرہ روپیہ نقد اور ایک بکس تھا جس میں دو ایک جوڑے لباس اور کچھ کتابیں تھیں۔

حضرت صاحب کی روانگی کی اطلاع پا کر اخوان و مریدین و معتقدین آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ سب تاسف کرتے تھے کہ ہم حضور کی کوئی خدمت نہیں کر سکے۔ کاش ہمیں کچھ روز اور خدمت کا موقع ملتا۔ اُسی وقت ایک ہندو جج صاحب جن کا سالا بعارضہ دیوانگی بالکل خاموش ہو گیا تھا اور کسی سے کوئی بات نہ کرتا تھا، حضرت صاحب کی دعا اور تعویذ کی برکت سے شفایاب ہوا تھا، ادائے شکرانہ کے لیے حضور کی خدمت میں آئے اور یہ دیکھ کر کہ حضور فیض آباد سے تشریف لے جا رہے ہیں افسوس کا اظہار کیا اور اپنی کار میں بٹھا کر اسٹیشن روانہ ہوئے۔ چونکہ ایک جم غفیر سواری کے ساتھ تھا اس لیے کار بہت آہستہ چل رہی تھی۔ حضور کی روانگی کا رنج و افسوس ہجوم پر اس درجہ غالب تھا کہ بعض آواز کے ساتھ اور بعض صرف آنسوؤں سے رو رہے تھے اور کار کو گھیرے ہوئے تھے۔

جب یہ بڑا جلوس اسٹیشن پہنچا تو چند پولیس افسر سکھ اور مسلمان قریب آئے اور سوائے چند خاص آدمیوں کے باقی لوگوں کو ایک طرف کر دیا اور تحقیق و تفتیش کرنے لگے حضرت صاحب کے پاس کوئی قابلِ اعتراض سامان تو تھا ہی نہیں، لیکن بکس میں کتابوں کے ساتھ ایک کاغذ اُن کو ملا جس میں فارسی عبارت تحریر تھی اور وہ ۱۹۳۰ء کا لکھا ہوا تھا۔ چونکہ وہ روحانی مطالب سے متعلق تھا اُن کی سمجھ میں نہ آیا اور شکوک میں مبتلا ہو گئے۔ اس فارسی عبارت میں کوہ مری اور موہڑہ شریف کا نام انھوں نے پڑھا اور یہ پاکستان میں ہے اس لیے شبہ کرنے لگے۔ لیکن جب حضرت صاحب نے تشفی بخش جواب دیکر مطمئن کر دیا تو وہ شرمندہ ہوئے۔ معذرت کی اور عزت و احترام سے پیش آئے۔ جلوس کے ساتھ آئے ہوئے لوگ ایک طرف کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب اِن افسران کو دفعتہً رام ہوتے دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے کہ یہ بھی ایک کرامت کا ظہور تھا۔

اس تحقیق و تجسس میں اگرچہ ٹرین کا وقت گزر چکا تھا، لیکن حسنِ اتفاق سے گاڑی لیٹ ہو گئی اور جیسے ہی حضرت صاحب چیکنگ وغیرہ سے فارغ ہوئے گاڑی پلیٹ فارم پر آ گئی۔ حضرت صاحب نے دو ٹکٹ تیسرے درجہ کا منگایا۔ لیکن جج صاحب اور حاضرین و معتقدین نے ایک ٹکٹ درجہ اوّل کا اور چھوٹے بڑے نوٹ بطریقِ نذر حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیے اور خادم محمد صادق صاحب مرحوم کو سرونٹ میں بٹھا دیا۔

اس وقت جج صاحب نے بڑے ادب سے درخواست کی کہ اگر حضور دو ایک روز کے لیے لکھنؤ میں ٹھہر کر اُن کے مکان میں قیام کریں تو بڑی نوازش ہو۔ کیونکہ ان کی بیوی اپنے بھائی کی شفایابی کے بعد حضرت صاحب کی بڑی معتقد ہو گئی تھیں اور حضرت صاحب کی زیارت کرنا چاہتی تھیں۔ اگرچہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں حضرت صاحب نے کسی غیر مسلم سے تحفہ یا دعوت قبول نہیں فرمائی تھی۔ لیکن جج صاحب کی اس درخواست کو آپ نے قبول فرمایا۔ جج صاحب نے اسی وقت

لکھنؤ ٹیلیفون کر کے حضرت صاحب کی روانگی کے متعلق اطلاع کر دی اور جیسے ہی ٹرین روانہ ہوئی لوگوں کی گریہ وزاری اور صدلئے تکبیر کی آواز سے پلیٹ فارم گونج اُٹھا۔ لوگ حیرت و تعجب سے دیکھتے رہے کہ یہ کس درجہ محبوب و بزرگ شخصیت ہے جس کو رخصت کرتے ہوئے لوگ اس درجہ غمگین ہیں۔ حاضرین میں سے اکثر کہنے لگے کہ اس مدت میں ہم نے آپ کو پہچانا ہی نہیں اور نہ آپ کی قدر کر سکے۔ ایک دوافروش مرد بزرگ نے کہا کہ اس سرزمین پر بہت سے پیرو مرشد اور ولی اللہ آئے شروع میں تو اُن کی عزت و تکریم دیکھنے میں آئی، مگر بعد میں وہ لوگوں کی نظر سے گر گئے۔ لیکن یہ پیر سندھی ایسے باکمال بزرگ ہیں کہ جس وقت سے تشریف لائے آپ کی عزت محبت برابر بڑھتی گئی اور جو ایک مرتبہ آپ سے ملا ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو کر رہ گیا۔

لکھنؤ جج صاحب کی اطلاع کے مطابق لکھنؤ کے پلیٹ فارم پر استقبال کرنے والے موجود تھے جو حضرت صاحب کو احترام کے ساتھ جج صاحب کے خسر کے مکان پر جو سول سرجن تھے لے گئے۔ جج صاحب کی بیوی اور سالے نے (جو دیوانگی کے بعد اپنے ہوش و حواس میں آکر صحیح اور تندرست ہو چکے تھے) جی کھول کر حضرت صاحب کی پذیرائی کی۔ بڑے ادب کے ساتھ خدمت میں کمربستہ رہے اور حضرت صاحب کے غذائی انتظام کے لیے ایک مسلمان خانساماں مقرر کر دیا۔

حضرت صاحب ایک ہفتہ لکھنؤ میں مقیم رہے۔ یہاں بھی حاجت مندوں اور مایوس مریضوں نے حضرت صاحب کی دعاؤں سے فیض حاصل کیا۔ اور اکثر فیض آباد کے لوگ بھی لکھنؤ آکر شرفِ ملاقات حاصل کرتے رہے۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت صاحب اسی شانِ ولایت و تصرف کے ساتھ لکھنؤ سے اجمیر شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ سنہ ۱۹۴۸ء ۱۵ رمضان المبارک کا عشرۂ آخر تھا۔

ریاستوں میں بھی مسلمانوں کے لیے یہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا۔ ریاست بھرتپور کی خونی داستانیں آج تک بکھری پڑی ہیں۔ ریاست جے پور میں اگرچہ راجہ نے امن و امان بحال رکھنے کی

کوشش کی لیکن شہر کے علاوہ دیہاتوں اور چھوٹے مقاموں پر امن قائم نہ رہ سکا۔ ٹرینوں میں سفر کرنا بیحد خطرناک تھا اور بہت کم مسافر بچ کر پاکستان پہنچ رہے تھے۔

اجمیر شریف انھیں غیر یقینی حالات میں حضرت صاحب نہایت اطمینان سے سفر کر کے اجمیر شریف پہنچے وہاں بھی افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور لوگ پاکستان بھاگ رہے تھے ۔ یہ ۵ شوال المکرم حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہٗ کے عرسِ مبارک کا موقع تھا حضرت صاحب نے زیارت وفاتحہ کے بعد مراقبہ فرمایا تو خادمانِ دربارِ خواجہ نے متوّلی صاحب کو آپ کی اطلاع پہنچائی۔ انھوں نے ملاقات و تعارف کے بعد حضرت صاحب کی دعوت کی۔ اور عرس میں شرکت کے بعد دوسرے دن حضرت صاحب بمبئی روانہ ہو گئے۔ اور وہاں سے غیر متوقع حالات کے تحت بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے۔

کراچی آپ کی تشریف آوری کی اطلاع پہلے سے ہو چکی تھی، اس لیے کراچی، حیدرآباد اور سکھر کے اکثر اخوانِ طریقت ایرپورٹ پر جمع ہو گئے، اور تکبیر کے مسرت افزا نعروں میں خوش آمدید کہتے ہوئے آپ کی زیارت و قدمبوسی سے مشرف ہوئے۔ جو لوگ کار پر آئے تھے انھوں نے اپنی اپنی کاریں پیش کیں۔ آپ نے کسی کو انکاری جواب تو نہیں دیا لیکن آہستہ خرامی سے آگے بڑھتے ہوئے محمد عمر صاحب خطیب میمن مسجد صدر کے ہمراہ ایک سواری کو اشارے سے طلب فرما کر روانہ ہو گئے۔

محمد عمر صاحب حضرت صاحب کے خلفاء میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ آپ نے دو دن اُن کے ساتھ گزارے اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ محمد عمر صاحب نے بیان کیا کہ میں اس وقت چند عجیب مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن حضور کی اس خاص توجہ نے میری تمام مشکلیں حل فرما دیں اور سب رکاوٹیں دُور ہو گئیں۔ یہ اُس وقت سے آج تک اسی ارادت کے ساتھ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے درجات کو ملبند سے ملبند تر فرمائے۔

حیدر آباد حیدر آباد کے سٹیشن پر جملہ اخوانِ طریقت اپنے دوست احباب اور متعلقین کے ہمراہ استقبال کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ ہر شخص پھولوں کا ہار لیے زیارت و قدمبوسی کو بیتاب و بے قرار تھا۔ جیسے ہی ٹرین پلیٹ فارم پر پہنچی سارا اسٹیشن نعرۂ تکبیر کی بلند آواز سے گونج اٹھا۔ حضرت صاحب اپنے فطری استغنار کے باوجود ایک ایک شخص کی طرف پوری توجہ اور شفقت سے نظر فرماتے اور " وَاشَوْقَاۤ اِلٰی لِقَاۗءِ اَخْوَانِیْ[۱] " کے انداز سے تبسم فرماتے اور مصافحہ و معانقہ کرتے اپنی بالقصد اور پُروقار رفتار سے آگے بڑھتے ہوئے اسٹیشن سے باہر تشریف لائے اور ایک عظیم جلوس ذکر و تکبیر کی وجد آفریں صداؤں کے ساتھ گنج بخش پیر تک آیا۔ مشتاقینِ زیارت نے نو سال کی جدائی کے بعد جی کھول کر اپنے پیر و مرشد و آقا و مولیٰ کے دیدار سے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور حاصل کیا۔ اس وقت آپ کے جمالِ باکمال میں انوار کی تجلیاں قابلِ دید تھیں جس کی نظر آپ کے چہرۂ انور پر پڑ جاتی مسحور ہو کر رہ جاتا۔

شانِ صبغۃ اللّٰہی فیض آباد سے تشریف لانے کے بعد حضرت صاحب نے حسبِ فیصلۂ سابق حیدر آباد کو اپنی مستقل قیام گاہ کا مرتبہ عطا فرمایا۔ اور سالکانِ راہ اور اخوانِ طریقت کو اپنے مخصوص طریقۂ مصطفائی کی تعلیم و تربیت سے سرفراز فرمانے اور رشد و ہدایت کا کام سرانجام دینے لگے۔ آپ کی ایک ایک نفس آمد و شد اور ہر ایک حرکت و سکون میں کچھ ایسی شانِ صبغۃ اللّٰہی کا ظہور ہوتا تھا کہ زبان و قلم کو یارائے بیان و تحریر نہیں۔ جو فردِ متنفس بھی خالی ہو کر آیا دربارِ فیض و کرم سے مالامال ہو کر گیا۔ آپ اپنی عمومی تعلیمات میں عام مسلمانوں کے لیے خطبۂ جمعہ اور عام مجالس و محافل میں شرعی احکام اور اخلاقی محاسن کی پاکیزہ تعلیمات سے سرفراز فرماتے۔ خصوصی تعلیمات میں بعد نمازِ مغرب و مراقبۂ طریقت کے

---

[۱] ترجمہ:۔ مجھے اپنے بھائیوں کے دیکھنے کا کتنا شوق ہے۔

باریک نکات اور روحانی تاثرات کے ذریعہ مراتبِ سلوک میں ترقی عطا فرماتے۔ اور اخص الخصوص تعلیمات میں انفرادی تدریس اور باطنی توجہات سے فیضیاب فرماتے ۔ اس اندازِ تربیت و تعلیم میں یہ کرامت عام پائی جاتی کہ ہر فردِ موجود اپنے مرتبے کے مطابق اسباق حاصل کرتا اور جو سوال دِل میں لے کر بیٹھتا اُس کا شافی جواب لے کر اُٹھتا اور زبان سے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اکثر نو وارد حضرات پہلی ہی مجلس میں ایسے مطمئن ہو جاتے کہ شک و شبہ کی گنجایش باقی نہ رہتی اور بعض اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ دل میں یہ سوال لے کر آئے تھے اور اس کا یہ جواب مل گیا۔

آپ کی زیرِ تربیت سلوک میں ترقی کرنے والے تین قسم کے مریدین پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتے۔ بعض ایک دن دو دن اور بعض ہفتہ عشرہ میں سیر الی اللہ سیر فی اللہ اور سیر باللہ کے مراتب سے گزر کر مقامِ جمع الجمع میں واصل باللہ ہو جاتے اور خلافت و اجازت حاصل کر کے رشد و ہدایت کا کام سرانجام دینے کے لیے روانہ ہو جاتے ۔ دوسرے وہ مریدین جو عرصہ دراز تک تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تجلیۂ روح، تقدیس سِر، تجذیبِ خفی اور معراجِ اخفیٰ کے مراتب میں ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ فنا و بقا حاصل کرتے اور سال دو سال، چار سال، دس سال میں فائز المرام ہو کر واپس جاتے ۔ اور تیسرے وہ مریدین جو عشق کا راستہ اختیار کرتے اور سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہ ہونے ہوتے "بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی[1]" کے مصداق ساعۃً بعد ساعۃٍ معرفتِ خداوندی کے جام پر جام چڑھاتے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ[2] کی تمنا لیے ہوئے دَر پر پڑے رہتے اور عشق کی آگ میں سب کچھ جلا کر مست و سرشار رہتے۔ جیسا کہ فرمایا اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ[3]۔

ان کے علاوہ ایک معمولی تعداد ایسے مریدوں کی بھی پائی گئی ہے جو اس سحابِ کرم کی فیض بخشی اور جود دستی کی بارش میں آنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک محروم القسمت رہے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو اپنے

---

[1] استسقا کا مریض پیاسا مر جاتا ہے اور دریا ویسا ہی باقی رہتا ہے۔ [2] کیا کچھ اور ہے؟ [3] عشق کی آگ سوا محبوب کے سب کو جلا دیتی

کشکول کو بھرا ہوا لے کر آئے اور حضور کی تعلیمات وفیوضات کے لیے کوئی گوشہ خالی نہ کر سکے حضرت صاحب نے اپنی خاص تعلیمات میں اکثر ارشاد فرمایا ہے ؎

دادِ حق را قابلیت شرط نیست — بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

ترجمہ: دادِ حق کو قابلیت کی نہیں ہے کوئی شرط — قابلیت کے لیے ہی داد اُس کی چاہیے

اور نہ صرف یہ کہ زبان سے ارشاد فرمایا بلکہ بے شمار مثالیں اخوانِ طریقت میں اُن لوگوں کی موجود ہیں جو بغیر کسی ادنیٰ قابلیت کے دادِ حق سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ اور بعض وہ بھی ہیں جو خود کو ہر طرح قابل ولائق سمجھتے ہیں اور دادِ حق سے محروم ہیں۔

آپ کی تعلیمات میں رنگِ توحید اور وحدتِ ارادی

توحید کے معنی ہیں خدا کے ایک ہونے پر یقین کرنا۔

وحدت کے معنی ہیں ایک ہونا اور یگانگی۔ اور وحدتِ ارادی کے معنی ہیں کسی جبر جابر یا قہر قاہر کے بغیر اپنے ارادے سے یک دل ہو جانا۔ حضرت صاحب کی زندگی میں ایک کرنے اور ایک رکھنے کے معانی بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے طریقتی مسلک کی وحدت ہے۔ حضرت صاحب کو چار سلسلوں یعنی نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ سے خلافت واجازت حاصل ہوئی۔ لیکن آپ نے وحدتِ ارادی سے کام لے کر ان چاروں سلسلوں کے علاوہ طیفوریہ، جنیدیہ، یافعیہ اور نعمت اللٰہیہ نیز مجددیہ، نظامیہ اور اویسیہ سب کو یکرنگ کر کے مصطفائی سلسلے کی بنیاد ڈالی اور اس سلسلہ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ ولایت سے متعلق کر کے سلسلوں کی کثرت کو وحدت اور انفرادیت کو جماعیت سے وابستہ کر دیا۔ جیسے نو رنگوں کو ملا کر رنگِ سفید اور سفیدی کو بے رنگی میں فنا کر کے رنگِ "صبغۃ اللّٰہی" بنایا جاتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ط (اللہ کے رنگ سے بڑھ کر اور کون سا رنگ اچھا ہو سکتا ہے)۔

دوسری وحدتِ ارادی ظاہری فرقوں کی وحدت ہے، جس میں آپ نے دیوبندی، بریلوی

اور الیاسی وغیرہ فرقوں کو ملا کر ایک کر دیا ہے اور ان کے فروعی مسائل کو آزاد چھوڑ کر بنیادی مسائل میں ایک جسد واحد بنا کر کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ (سب مومن بھائی بھائی ہیں) کے دائرے میں جمع کر دیا ہے۔

تیسری وحدتِ ارادی اخلاقی وحدت ہے۔ اس میں آپ نے سلف وخلف اور مشرق و مغرب کے اخلاقی محاسن کو ایک کر دیا ہے اور ہر پہلو میں اخلاقی برتری کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

چوتھی وحدتِ ارادی تمدنی اور معاشی وحدت ہے جس میں آپ نے امیروں اور دولت مندوں کو زکات وخیرات وحسنات میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور غریبوں کو سہارا دیا ہے کہ وہ دوسروں کی دست نگری سے آزاد ہو کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت صاحب کے ایک ایک پہلو میں وحدتِ ارادی کا یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ آپ کے قول، فعل، تعلیم، ارشاد، ہدایت، عبادت، اخلاق اور معاملات میں توحید کا یہی رنگ غالب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اخوانِ مصطفائی میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، جاہل ہو یا عالم، غریب ہو یا امیر، کالا ہو یا گورا اور کسی بھی خطۂ سرزمین سے تعلق رکھتا ہو اپنے اندر کسی تفریق کا احساس نہیں کرتا۔ ہر شخص اپنی جگہ واحد اخوت کا حامل اور شرافتِ نفسی سے مالامال ہے۔

مریدین پر شفقت و عنایت

جو شخص ایک مرتبہ آپ کی بیعت وغلامی میں داخل ہوتا ہے سب سے پہلے آپ کی شفقت وعنایت کا مشاہدہ کرتا ہے آپ اپنے ادنیٰ غلاموں کے ذرّہ ذرّہ حالات سے واقف وآگاہ ہوتے ہوئے بھی خود اُن کی زبان سے سننے کے لیے ایک ایک بات دریافت فرماتے اور اُن کے بیان واظہار کے مطابق دعا وامداد وتجاویز سے سہارا دیتے اور کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتے ہیں۔ دنیاوی امورات میں وہ صحیح مشورہ اور صائب رائے عنایت فرماتے ہیں کہ ساری اُلجھنیں ختم ہو جاتی اور گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ آپ کی تعلیم ع "دست بکار و دل بیار" ہے۔ آپ فرماتے ہیں ہاتھ پاؤں سے دنیا کا کام انجام دو مگر دنیا کو دل میں داخل

نہ ہونے دو۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالی اور فارغ رکھو۔ آپ اپنے مریدوں کو اخوان فرماتے اور سب کو اخوتِ ایمانی کے رشتے میں باندھنے کے لیے بھائی بھائی بناتے ہیں اور اس حدیث کی موافقت میں التزام فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَکْثِرُوا الْاِخْوَانَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَسْتَحْیِیْ اَنْ یُعَذِّبَ اَحَدُکُمْ مَعَ الْاِخْوَانِ (زیادہ سے زیادہ بھائی بناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ شرم کرتا ہے کہ تم میں سے کسی کو بھائیوں کے ساتھ عذاب کرے)۔

اگرچہ حضرت صاحب کے نزدیک تمام مرید وہ خواہ کسی حیثیت و مرتبے کے ہوں یکساں یکساں ہیں اور کسی کو کسی پر شفقت و عنایت میں کمی زیادتی نہیں۔ مگر ہر شخص اپنے اعتقاد و محبت اور نسبت و خدمت کے اعتبار سے استفادہ کرتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اسم "اَلشَّکُوْرُ" کے مظہرِ کامل ہیں۔ اور صحبت یافتہ مریدوں میں سے ہر ایک نے اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ جو چیز حضور کی خدمت میں نذر کی ہے آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس میں ترقی عطا فرمائی ہے۔ ان تاثرات و کمالات و کرامات کو اگر ایک ایک مرید کے تجربات کے مطابق تحریر کیا جائے تو کتاب انتہائی ضخیم ہو جائے گی۔ ہم یہاں صرف چند خاص مریدوں کے ذاتی تجربات تحریر میں لاتے ہیں تاکہ آپ کی شفقت و عنایت کا انداز اور مرشدی و رہنمائی کی شان ظاہر ہو جائے۔

حاجی پیر بخش

حاجی پیر بخش صاحب حضور کے اقرب ترین مریدوں میں خاص اہم شخصیت کے مالک ہیں۔ بیراج روڈ سکھر میں "پیر بخش اینڈ برادرز فاؤنڈری" کے نام سے لوہے کی ڈھلائی اور خراد کا ایک بڑا کارخانہ ہے جہاں ہر قسم کی بڑی بڑی مشینیں ڈھلتی اور تیار کی جاتی ہیں۔ حاجی صاحب نے حضرت صاحب کے لیے ایک کمرہ مع ضروری لوازمات کے الگ مخصوص کر دیا ہے۔ اور حضور جب سکھر تشریف لاتے ہیں تو وہیں قیام فرماتے ہیں اور زائرین و حاضرین کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ روزانہ ہر وقت وسیع دسترخوان بچھایا جاتا ہے اور جمعہ کے دن تو کسی رئیس کے یہاں دعوت و تقریب کا منظر ہوتا ہے سکھر کے احباب و اخوان کے علاوہ شکارپور، جیکب آباد، میرپور ماتھیلو اور ڈہرکی وغیرہ کے لوگ حاضر

ہوتے ہیں اور خاصا عرس کا سماں ہو جاتا ہے۔ حاجی پیر بخش صاحب اور ان کے برادرِ خورد حاجی باغ علی صاحب دونوں جس اعتقاد و محبت سے خدمات انجام دیتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے پیر و مرشد سے کیا کچھ فیض حاصل نہ ہوگا۔ پھر بھی خود اُن کی زبان سے ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کس طرح حضور کے سامنے آئے بیعت کی اور فیوضات حاصل کیے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"سنہ ۱۹۵۰ء میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کھڈّے کی مسجد تعمیر ہو چکی تھی جس کی خدمت کا شرف اِس عاجز کو نصیب ہوا۔ اس کا نام محمدی مسجد رکھا گیا اور اس کی تولیت مجھے سپرد کی گئی۔ جمعہ کے دن میں سنت پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا کہ قاضی اعظم صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت پیر ایرانی صاحب تشریف لائے ہیں اگر اس وقت وہی خطبہ و نماز پڑھائیں تو زیادہ مناسب ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ تقریر بھی فرمائیں۔ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے۔ حضرت صاحب نے خطبہ میں تقریر فرمائی اور امامت کی ہم سب کو اس خطبہ و نماز میں عبادت کا صحیح لطف حاصل ہوا۔ بعد نماز میں نے ملاقات کی اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کی قیام گاہ پر آیا۔ آپ قاضی اعظم کے بنگلے کے قریب ہی قیام فرما تھے۔ اس پہلی ملاقات میں ایسی کشش پیدا ہوئی کہ میں برابر آنے جانے لگا۔ جب کسی وقت نہ پہنچتا تو حضور اپنے خادمِ خاص محمد صادق صاحب کو بھیج کر بلوا لیتے۔

ایک روز میں نے عرض کی کہ حضور دعوت دینے آیا ہوں اگر قبول فرمائیں تو بڑی نوازش ہو۔ حضور نے مجھ غریب کی درخواست قبول فرمائی۔ مسجد کے پاس ہی ایک کمرہ تھا جہاں آپ بیس بائیس آدمیوں کے ہمراہ جن میں کچھ علما اور کچھ افسران تھے، تشریف لائے۔ دوپہر کا وقت اور سکھر کی شدید گرمی۔ ایک شخص کو پنکھا جھلنے کے لیے کھڑا کر دیا۔ چونکہ ہوا کے رُخ دیوار تھی ایک حبس ہو گیا تھا حضور نے فرمایا۔ دیوار میں کھڑکی کیوں نہیں نکالی۔ عرض کیا حضور اُدھر دوسرے کا مکان ہے کھڑکی نہیں ہو سکتی پھر فرمایا۔ آپ دو بھائی بال بچے دار ہیں آپ نے بڑا مکان کیوں نہیں بنایا، مسجد کیوں بنوائی؟ عرض کیا

حضور خدا نے رزق دیا اور اپنے فضل و کرم سے دل میں ڈال دیا کہ مسجد کا کام کرو۔ ہمارے لیے یہی چھوٹا مکان کافی ہے۔ قبر میں بڑا گھر مل جائے گا۔ حضور نے کھانے سے ہاتھ اُٹھا کر اسی وقت دعا فرمائی اور کہا خدا کسی کا احسان نہیں لیتا، وہ آپ کو بالضرور ایک بڑا پلاٹ عنایت فرمائے گا۔ اس وقت ہم ایک کرایہ کے مکان میں کارخانہ چلاتے تھے۔ فوراً ہی حضور کی دعا کا اثر ظاہر ہوا۔ زمین کے مالک نے دعوے کر دیا کہ کارخانہ اٹھاؤ اور زمین خالی کر دو۔ پھر مقدمہ بازی شروع ہو گئی۔

ایک دفعہ احتشام الحق صاحب اِکسائز ڈپٹی کلکٹر کے یہاں جو حضور کے مرید تھے دعوت تھی۔ سب لوگ جمع ہو چکے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ پیر بخش صاحب آئیں گے تو کھانا کھائیں گے اُس دن سول کورٹ میں ہماری پیشی تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم ڈیڑھ بجے احتشام الحق صاحب کے یہاں پہنچے تو انھوں نے فرمایا۔ آپ کی وجہ سے کھانے میں دیر ہوئی۔ میں نے کہا کورٹ میں پیشی تھی اس وجہ سے دیر ہوئی۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ کیسا کیس تھا؟ عرض کیا حضور، زمین کے مالک نے کارخانہ خالی کرانے کے لیے دعویٰ کر دیا ہے۔ احتشام الحق صاحب نے کہا، وہ زمین کا مالک ہے کیس جیت جائے گا۔ اور آپ کو کارخانہ اُٹھانا پڑے گا۔ حضور نے یہ سن کر میز پر ہاتھ مارا اور فرمایا وہ قیامت تک کیس نہیں جیت سکتا۔ ایک غریب کو دربدر کرنا مناسب نہیں۔

اس کے بعد حضور نے مجھے غلامی میں داخل فرمالیا۔ ایک سال تک کیس چلا آخر میں جیت گیا۔ حضور نے ایک بڑے پلاٹ کے لیے پہلے ہی دعا فرمائی تھی۔ اس کی قبولیت اس طرح ظاہر ہوئی کہ ایک روز ایک پٹھان فقیر سامنے آیا اور کہا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ بڑی سڑک پر آپ کو بڑا پلاٹ مل جائے۔ ہم نے پوچھا، کہاں؟ کہا، تم خود ڈھونڈلو۔ جب ہم نے اصرار کیا تو کہا۔ جہاں مٹّی کے برتن بناتے ہیں، وہاں ایک پلاٹ ہے، وہ بہت اچھا ہے۔ ہم دونوں بھائیوں نے اس پلاٹ کو دیکھا بہت پسند آیا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوا کہ اس کا مالک کون ہے۔ ہم مکانوں کے دلال سے ملے۔

اُس نے کہا، ہم یہ پلاٹ سوا روپے فٹ دلا دیں گے۔ آخر سوا روپے سے ایک روپے پر آ گئے۔ ہم نے کہا ۱۴ ار فٹ لیں گے۔ لیکن اُس وقت ہمارے پاس اتنا بھی پیسہ نہ تھا۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ حضور نے نظرِ مبارک اُٹھا کر دیکھا اور مسکرا کر فرمایا کیا کہتا ہے؟ عرض کیا حضور ایک پلاٹ کا سودا ہو رہا ہے میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ ادا کروں۔ مہنگا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا، آپ کتنے تک خرید سکتے ہیں۔ میں نے کہا آٹھ دس آنے۔ فرمایا، عصر کی نماز سے پہلے آجائیں۔ میں حاضر ہوا۔ حضور نے محمدی مسجد میں آ کر نماز پڑھی اور پوچھا پلاٹ کہاں ہے؟ میں حضور کو وہاں لے آیا۔ پندرہ سولہ آدمی ہمراہ تھے۔ پلاٹ کے دروازے پر پہنچے تو فرمایا۔ یہ تو آپ کے لیے بہت اچھا پلاٹ ہے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہے۔ دو چار منٹ کے بعد دعا کی اور فرمایا، دربارِ الٰہی میں درخواست پیش کر دی ہے۔ اس پلاٹ کو کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔ آپ کا جی چاہے آٹھ آنے میں خریدیں یا دس آنے میں۔ اور یہ آپ کی دعاؤں کی برکت ہی تھی کہ یہ پلاٹ جس میں آج ہمارا کارخانہ چل رہا ہے دس آنہ فٹ میں ہمیں مل گیا۔ اور کسی بھی پلاٹ کی قیمت اس سے کم نہیں ہو سکتی۔

پہلی زمین کا مالک مقدمہ ہارنے کے بعد خاموش نہیں بیٹھا اور برابر اپیل کرتا رہا اور ہر سال ہمارے حق میں فیصلہ ہوتا۔ اِدھر نئے پلاٹ میں ہمارا کارخانہ تیار ہو گیا۔ ایک دن فرمایا۔ آپ کا کارخانہ تیار ہو گیا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس کیس کو چھوڑ دیجیے۔ یہ ۱۹۵۵ء کی بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن مالک زمین مصالحت پر تیار نہ ہوا۔ اور کیس چلتا رہا۔

ایک دفعہ محمدی مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد بیٹھے تھے۔ میں از راہِ ادب دُور بیٹھا تھا۔ فرمایا۔ حاجی صاحب نزدیک آجائیں۔ میں نزدیک آیا۔ فرمایا، اور نزدیک آئیں۔ میں اور قریب آیا۔ تیسری بار فرمایا۔ حاجی صاحب اور آگے آئیے۔ میں نے کہا، حضور میں نے حج نہیں کیا ہے۔ فرمایا میں نے آپ کو حاجی بنا دیا۔ اس سال آپ حج کے لیے تیار ہیں نا؟ اس وقت خوشی کے آنسو میری آنکھوں سے

جاری ہو گئے اور یقین ہو گیا کہ اس سال میں حج کے لیے ضرور جاؤں گا۔ پھر میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ حضور نے دعا فرمائی ہے جسے چلنا ہو ہمارے ساتھ درخواست دیدے

ہم چھ دوستوں نے ایک ساتھ فرسٹ کلاس کی درخواست دی۔ قرعہ اندازی ہونے کے بعد ایک شخص کراچی سے آیا اور ہم سے کہا کہ قرعہ اندازی میں سب سے پہلا نام آپ کا نکلا ہے، اور بورڈ پر لکھ دیا گیا ہے۔ پھر بکنگ آفس سے ایک دوست کے پاس خط آیا کہ تم فلاں تاریخ کو کراچی پہنچ جاؤ۔ وہ خط اُن سے گم ہو گیا۔ پھر ایک خط آیا کہ تمھارا نام نکلا ہے اور تم سکھر میں بیٹھے ہو۔ جلد آؤ۔ ہم لوگ کراچی پہنچے۔ حاجی کیمپ کے آفس میں گئے تو حج آفیسر (اس اعلیٰ کردار اور نیک افسر کا اب انتقال ہو گیا ہے خدا اُسے جنت نصیب کرے) کہا: آپ صرف ایک آدمی کو لیکر آجایا کریں۔ باقی سب کے آنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح ہم دو آدمی جایا کرتے تھے جب ہم پہنچتے تو چائے اور پیسٹری سے ہماری تواضع کرتا۔ اور کہتا ہم آپ کو تکلیف نہیں دیں گے۔ آپ بیٹھے رہیں آپ کا سارا کام ہو جائے گا۔ یہ حضور کی دعاؤں کی برکت تھی کہ وہ ہم پر اس قدر مہربان ہو گیا۔ دوسرے دن اُس نے از راہِ ہمدردی ہم سے کہا کہ یہ جہاز چھوٹا ہے، اس میں آپ کو تکلیف ہو گی۔ آٹھ دن آپ ٹھہر جائیں۔ ایک بڑا جہاز جانے والا ہے اس میں آپ کو آرام ملے گا۔ اس طرح آٹھ دن کے بعد نہایت آرام و راحت سے ہم روانہ ہو کر مکہ شریف پہنچ گئے۔

مناسک حج ادا کرنے کے بعد ایک دن میں طواف کر رہا تھا۔ ظہر و عصر کے درمیان مقام ابراہیم پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا، تھوڑے فاصلہ پر حضور احرام باندھے کھڑے ہیں۔ فرمایا "حاجی صاحب تشریف لے آئے؟" میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ "جی حضور!" اُسی وقت نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں سمجھ گیا کہ حضور نے شفقت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس کے بعد جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو ایسے ہی وقت میں باب السلام سے باہر نکل رہا تھا حضور کو دیکھا۔ فرمایا "آپ یہاں بھی آ گئے"۔ میں "جی حضور" کہنے ہی پایا تھا کہ نظر سے غائب ہو گئے۔ جب خیریت سے سکھر پہنچے اور حضور تشریف لائے تو

میں نے عرض کیا۔ "حضور، میں نے مکہ اور مدینہ میں آپ کو دیکھا ہے۔" ہنس کے فرمایا "ایک محبت کرنے والے مرید کو ایسا ہی پیش آتا ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں زمین کے مالک نے چھٹی مرتبہ اپیل کی تھی، کیس چل رہا تھا حضور نے فرمایا۔ "کیس چھوڑ دو۔ زمین خالی کر دو اور اپنی جگہ پر آجاؤ۔ میں کورٹ میں پہنچا تو جج صاحب نے کہا۔ "حاجی صاحب، میں آپ کو جج کی حیثیت سے نہیں بلکہ دوستی کے طریقہ پر عرض کرتا ہوں کہ آپ یہ کیس چھوڑ دیں۔ کیونکہ مالک بھی سید ہے اور اس کا وکیل بھی سید ہے۔ دو سیدوں کے کہنے سے آپ مکان چھوڑ دیں۔" میں نے کہا۔ "میں سفید کاغذ پر دستخط کرتا ہوں آپ جو فیصلہ چاہیں لکھ دیں۔ اس کیس کو میں نے نہیں خود انھوں نے آگے بڑھایا ہے۔" جج صاحب نے کہا "حاجی صاحب تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ جاؤ، باہر جا کر فیصلہ کر لو۔" اور جو حاجی صاحب کہیں اسے مان لو۔" میں نے کہا۔ "تین مہینے کی مہلت دو۔ پھر ہم قبضہ دیدیں گے۔" تین ماہ بعد مکان خالی کر دیا۔ اس نئے مکان میں آگئے جو حضور کی دعاؤں سے رہائش کے قابل ہو گیا تھا۔ اور یہیں کارخانہ چل رہا تھا۔

ایک دفعہ کارخانہ میں ڈیڑھ سو ہارس پاور انجن کا ایک بڑا پرزا بننے کیلئے آیا۔ اتنا بڑا پرزا ہم نے پہلے کبھی نہیں بنایا تھا۔ اس کی قیمت پانچ ہزار روپیہ تھی۔ خدا پر توکل اس کام کو ہم نے اٹھا لیا۔ اس کے انتظام میں دو ماہ لگ گئے۔ جب سانچا تیار کیا اور فٹنگ شروع ہوئی تو مٹی کے لوٹے فٹنگ میں ٹوٹ گئے۔ دو ماہ کی محنت ضایع جا رہی تھی۔ آنسو نکل آئے۔ انجن روم میں جا کر سربسجود ہو گیا کہ یا اللہ پیر کے وسیلہ میری مدد فرما، میں دوبارہ اس کو نہیں بنا سکتا ہوں۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ "اے مرشد تو کامل ہے آکر میری مدد کر۔" پھر دوبارہ مدد کے لیے پکارا۔ باہر آیا تو کاری گروں نے پوچھا اسے کیا کریں؟ میں نے کہا جوڑ جاڑ کر بند کر دو۔ ہمارا مرشد ہماری مدد کریگا۔

کاری گروں نے کہا بہت مشکل ہے۔ میں نے کہا، اب دوسرا نہیں بنائیں گے، مال گلا کر اسی میں ڈھالیں گے۔ صبح سے شام تک حضور کو دل میں پکارتا رہا۔ سانچے جوڑ کر بند کر دیے گیے۔ شام ہوئی تو ایک آدمی نے آکر کہا حضور تانگے پر تشریف لائے ہیں۔ میں دوڑتا ہوا گیا مصافحہ کیا، تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مکس حضور کے ہاتھ میں تھا، وہ میں نے لے لیا۔ فرمایا۔ "کیا تکلیف ہو گئی ہے"۔ عرض کیا، کوئی تکلیف نہیں۔ پھر سارا قصّہ کہہ سنایا۔ حضور نے عصا اُٹھا کر اُس مٹی کے مکس کے اوپر دو چار مرتبہ زور سے مارا۔ میں نے سوچا حضور کے لکڑی مارنے سے سانچا اور بھی ہل گیا ہوگا۔ حضور نے فرمایا۔ "اللہ اپنے حبیب کے صدقے میں اس کو ایسا بنائے گا کہ کبھی نہ بنا ہوگا۔ صبح بھٹی چلا کر مال ڈالا۔ اور خدا کے فضل سے ایسا بنا جیسا حضور نے فرمایا تھا۔

یہ میرے حضور کی شفقت و عنایت و محبت ہے جو آپ شروع سے میرے حال پر فرماتے ہیں۔

گل حسن کی شادی

حاجی پیر بخش صاحب فرماتے ہیں کہ "میرے فرزند گل حسن کی شادی کی باتیں دو برس سے چل رہی تھیں، مگر طے نہ ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ حضور نے فرمایا۔ گل حسن کی شادی کا کیا بندوبست کیا۔ عرض کیا حضور دو برس سے کوشش کرتے ہیں مگر کوئی امید نہیں ہے۔ فرمایا آپ کا ایک دوست ہے اُس کو بلاؤ۔ میں اُس سے کہوں۔ اُسے بلایا تو حضور نے فرمایا کہ میری طرف سے اُس سے کہو کہ گل حسن کو لڑکی دیدو۔ تمھارے لیے بہت بہتر ہوگا۔ اس دوست نے اس شخص سے جا کر کہا۔ اور واپس آکر جواب دیا کہ اُس شخص نے جو کچھ کہا ہے وہ میں زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔ مختصر یہ کہ انکار کر دیا ہے۔ فرمایا۔ ہمیں معلوم ہے کوئی بات نہیں۔ آپ کسی دوسری جگہ کوشش کریں۔ میں نے تین چار نام اپنی قوم کے بتائے حضور نے انکار فرما دیا۔ اگرچہ حضور اُن سے واقف نہ تھے۔

ایک دفعہ حضور میر پور ماتھیلو میں ڈاکٹر سراج الدین صاحب کے یہاں تشریف فرما تھے۔ میں اور بھائی باغ علی، دو چار اخوان سکھر کے اور میرا ماما محمد ساجن جمعہ کو وہاں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ حضور نے

سب سے ملاقات کے بعد ہم سے دریافت فرمایا۔ گل حسن کی شادی کا کیا ہوا؟ عرض کیا، حضور ابھی تک کہیں طے نہیں ہوا۔ دعا فرمائیں۔ فرمایا۔ کوشش کرو۔ اللہ مدد کرے گا۔ پھر دوسرے جمعہ کو بھی سب لوگ گئے۔ پھر شادی کے متعلق دریافت فرمایا۔ میرے ماما صاحب نے کہا، حضور، ہم تو تھک گئے ہیں۔ اب حضور دعا فرمائیں تو کام بنے۔ فرمایا۔ آپ کوشش کریں میں بھی دعا کرتا ہوں۔ ماما صاحب نے کہا، حضور ہمارے بس کی بات نہیں حضور جانیں اور گل حسن جانے۔ فرمایا۔ ماما صاحب آپ ہماری بات سنیں۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد پر روانہ ہوتے تو اصحاب کو فرماتے کل آپ سب جہاد کے لیے تیار ہو جائیں۔ صبح روانہ ہوں گے حضورؐ کے فرمان کے مطابق سب تیار ہو کر مسجدِ نبوی میں تشریف لے آتے۔ حضورؐ خود بھی لباس و اسلحہ سے تیار ہو کر تشریف لاتے اور اصحاب کے ساتھ مل کر دربارِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے کہ میرے مولا یہ میرے اُمتی اور میں خاص تیرے واسطے لڑنے جا رہے ہیں، اب تو ہماری مدد فرما۔ تو خداوند کریم دیکھتا تھا کہ میرے حبیب اور اُس کے اصحاب سچائی سے میرے نام پر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو خداوند کریم دعا قبول فرماتا اور فتح میسر ہوتی۔ پھر فرمایا۔ آپ لوگ بھی کچھ آگے بڑھیں تو میں بھی ہاتھ اُٹھاؤں۔ اس پر ماما صاحب نے کہا۔ بس حضور، ہم تو خاموش ہیں۔ آپ جانیں اور گل حسن جانے۔ پھر بعد نمازِ جمعہ ہم سکھر واپس چلے آئے۔

اسی ہفتہ بُدھ کے دن شام کو ایک نوجوان لڑکا میرے پاس آیا، اور کہا۔ میرا باپ بہت بیمار ہے۔ آپ کو بلایا ہے۔ میں عصر کی نماز کے بعد اُن کے یہاں گیا۔ واقعی وہ بہت بیمار تھے اور چل پھر نہیں سکتے تھے۔ آدھ گھنٹہ بیٹھ کر میں نے رخصت چاہی کہ مغرب کی نماز کا وقت قریب ہے۔ اُنھوں نے کہا مسجد قریب ہے نماز پڑھ کر میرے پاس آئیے۔ نماز کے بعد جب واپس آیا تو اُنھوں نے کہا کہ میری چھوٹی لڑکی جوان ہے، وہ میں آپ کے گل حسن کے لیے دیتا ہوں۔ آپ قبول فرمائیں۔ میں نے انکار کر دیا۔ وہ حیران رہ گیا۔ کہا۔ میں آپ کو لڑکی دیتا ہوں اور آپ انکار کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ چونکہ میں نے آپ سے لڑکی کیلیے کہا اور نہ کسی سے کہلوایا۔ آپ خود کہہ رہے ہیں میں اِسے قبول

نہیں کروں گا۔ اُس نے کہا، آپ جانتے ہیں کہ میری بیوی نے حضرت صاحب کو نہیں دیکھا ہے۔
میں نے کہا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ انھوں نے کہا۔ آج رات ڈھائی تین بجے میری بیوی نے خواب
دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت سفید لباس اور سفید جرّاب پہنے عصا ہاتھ میں لیے کھڑے ہیں اور
فرماتے ہیں ۔۔۔ مائی صاحب، آپ اس لڑکے کو پہچانتی ہیں۔ اُس نے کہا۔ ہاں، یہ حاجی پیر بخش کا لڑکا
گل حسن ہے۔ اور وہ ہماری برادری کے ہیں۔ فرمایا۔ تم اپنی کنواری لڑکی گل حسن کو بیاہ دو۔ یہ
تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اُس نے کہا، حضور ہم نے دیدی۔ پھر فرمایا۔ ہم منگنی کرنے آئے ہیں۔ تم
کوئی کپڑا گل حسن پر ڈال دو۔ اُس نے ایک دوپٹہ گل حسن کے کندھے پر ڈال دیا۔ پھر اس شخص نے
کہا کہ میری اور میری لڑکی کی خوش قسمتی ہے کہ حضور کے ہاتھ سے میری لڑکی کا نکاح ہو۔ اب آپ کا کیا
خیال ہے؟۔ میں نے کہا۔ نہ میں اقرار کرتا ہوں نہ انکار کرتا ہوں۔ جب حضور تشریف لائیں گے اور جیسا
حکم فرمائیں گے، ویسا کروں گا۔ اور یہ کہہ کر واپس چلا آیا۔ دوسرے دن جمعرات کو حضور تشریف لائے
رات کو قیام فرمایا۔ جمعہ کے دن صبح ناشتہ کرنے کے بعد سب باہر نکل گئے۔ میں حضور کی خدمت میں بیٹھ
گیا۔ ہنس کر فرمایا۔ کچھ کہنا ہے۔ عرض کیا۔ جی حضور، پھر میں نے اس شخص کا نام لیا اور کہا کہ اس کی بیوی
نے حضور کو خواب میں دیکھا ہے۔ اتنا ہی کہا تھا کہ ہنسکر فرمایا۔ اُس نے سچ کہا ہے۔ حاجی صاحب گل حسن
کے لیے وہ لڑکی بہت اچھی ہے۔ ہم نے آپ سے میرپور ماتھیلو میں پوچھا تھا تو آپ نے انکار کر دیا۔ پھر مجھے
خود ہی ڈھونڈنا پڑا۔ گل حسن کو تو اور بھی لڑکیاں مل سکتی تھیں، کیونکہ ایسے شریف لڑکے بہت کم ملتے ہیں
لیکن میں نے چاہا کہ آپ ہی کی برادری میں شادی ہو جائے۔ تاکہ وہ پہلا شخص یہ نہ کہے کہ ہم نے
لڑکی نہ دی تو خاندان میں کہیں شادی نہ ہوئی۔ پھر فرمایا۔ ماما صاحب اور رباغ علی کو بلاؤ۔ وہ آئے
تو فرمایا یہ دس روپے لو اور مٹھائی خرید کر گل حسن کے سسر کے پاس لے جاؤ۔ دعا مانگ کر بات پکی
کر آؤ۔ دونوں گئے۔ وہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ مٹھائی بانٹ دی گئی۔ ماما صاحب نے آکر کہا

کہ ہم بات پکی کر آئے ہیں۔

حضور نے مجھ سے فرمایا کہ جمعہ کی نماز یہاں ہو گی۔ آپ گل حسن کے سسر کو کہلا دیں کہ وہ یہاں نماز پڑھے اور یہیں کھانا بھی کھائے۔ میں نے عرض کیا، حضور وہ بہت علیل ہے چل پھر نہیں سکتا۔ فرمایا، تانگے میں بیٹھ کر آجائے۔ وہ آیا۔ اور دو تین نوالے کھانا کھایا۔ دستر خوان پر پچاس ساٹھ آدمی تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب باہر نکل گئے تو حضور نے گل حسن کے خسر کو بازو سے پکڑ کر اُٹھا لیا۔ "یہ کیا ہو گیا ہے۔ کیا بیماری ہے تمھیں۔ اب تم اس دستر خوان پر گرے ہوئے ریزے صاف کرو۔ یہ خدمتِ خلق ہو گی اور اللہ تمھاری بیماری کو دُور فرمائے گا۔ وہ بیٹھ کر دستر خوان صاف کرنے لگا۔ پھر حضور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا لیا، اور اسی وقت سے اُس کی بیماری دُور ہونی شروع ہو گئی۔ اس کے بعد گل حسن کی شادی ہوئی جس میں حیدر آباد، نواب شاہ، شکار پور اور میر پور ماتھیلو وغیرہ کے اخوان شریک ہوئے۔ حکیم ذوقی نے سہرا پڑھا جس پر چاروں طرف سے روپوں کی بارش ہو گئی۔ یہ سہرا حضور کے کمرے میں آویزاں ہے۔ حضور نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ گل حسن کو خوبصورت بچے عطا فرمائے۔ گل حسن کے لڑکا بھی ہے لڑکی بھی۔ اور ہم سب لوگ اس شادی سے بہت خوش ہیں۔

اس شادی سے پہلے اسی پلاٹ میں ہمارا رہنے کا مکان بہت پُرانا تھا۔ حضور کے حکم کے مطابق ہم نے نیا مکان بنانا شروع کیا، جس کے دس کمرے ہیں۔ چھت ابھی نہیں پڑی تھی کہ پیسے ختم ہو گئے۔ شام کو بڑی فکر ہوئی کہ کیا انتظام کیا جائے۔ رات کو حضور خواب میں آئے۔ فرمایا۔ "اُٹھو آپ کا مکان دیکھیں کیسا بن رہا ہے؟" میں ادب سے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ نے فرمایا "آگے چلو!" تمام کمرے حضور نے ملاحظہ فرمائے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھایا۔ خداوند کریم اپنے حبیب کے صدقے میں مکان کو ایسا خوبصورت بنائے گا کہ لوگ دیکھ کر کہیں گے۔ لاکھ سوا لاکھ خرچ ہوا ہو گا۔ پھر فرمایا۔ پیسے کی کوئی فکر نہ کرو پیسے آتے رہیں گے

مکان بنتا رہے گا۔ اس کے بعد پیسے آتے رہے مکان بنتا رہا۔ ایک ہفتہ کے بعد حضور تشریف لائے۔ آپ نے دیواروں پر دست مبارک پھیر کر مستریوں سے کہا کہ مکان ایسا بناؤ کہ لوگ دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ پیسے کی فکر نہ کرو پیسہ آتا رہے گا۔ یہ حضور کی دعاؤں کی برکت ہے تھوڑے پیسے میں مکان بن کر تیار ہو گیا کہ لوگ اسے سن کر اعتبار ہی نہیں کرتے۔

پھر ایک مرتبہ کاربار مندا ہو گیا، اور قرض کے بوجھ سے پریشانی رہی۔ حضور نے دعا فرمائی دھندا چلا، اور کچھ قرض بھی اتر گیا۔ مگر کارخانہ میں ترقی نہیں ہو رہی تھی۔ پھر دعا فرمائی اور کہا کہ اس بڑے ہال میں خراد وغیرہ کی مشینیں چلیں گی۔ عرض کیا حضور ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے مشینیں کہاں سے آئیں گی۔ لیکن آپ کی دعا سے، اخوان جانتے ہیں کہ تمام مشینیں آ گئیں اور کام شروع ہو گیا۔ اس کارخانہ پر بانوے[92] ہزار روپیہ صرف ہوا ہے، مگر ہم نے گھر سے ایک پیسہ نہیں دیا حضور کی دعاؤں کا طفیل تھا کہ دوستوں نے خود بخود آکر کارخانہ پورا تیار کرا دیا۔ اب اخوان آتے ہیں اور دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

حاجی پیر بخش صاحب نے فرمایا کہ ہم کہاں تک حضور کی شفقت و عنایت کا ذکر کریں۔ ایک ایک ساعت حضور کا فیض و کرم ہمارے حال پر ہوتا ہے کہ ہم شمار نہیں کر سکتے۔ اگر ایک ایک بات یاد کر کے لکھنا شروع کریں تو ایک بڑی کتاب ہو جائے۔ یہ جو کچھ عرض کیا اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے حضور کیسے مستجاب الدعوات اور صاحب تصرف مرشد ہیں کہ جس طرف توجہ فرماتے ہیں فوراً ظہور میں آتا ہے۔

یہ حالات تو حاجی صاحب کے ظاہری ہیں جو انھوں نے ایک صحبت میں بیان فرمائے لیکن ان کے باطنی حالات اور منازلِ سلوک کی ترقیاں کون جان سکتا ہے جن کو وہ زبان پر کبھی نہیں لاتے۔ کیونکہ اخوانِ مصطفائی ظاہر کو ظاہر اور باطن کو باطن رکھتے ہیں اور تلبیس سے کام نہیں لیتے۔

بظاہر وہ ایک کارخانہ دار اور دنیادی امور میں امانت و دیانت کے ساتھ مصروف النسان نظر آتے ہیں۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ کوئی سانس اُن کی معیت و ذکر خداوندی سے خالی نہیں ہوتی۔ جو شخص اس درجہ فنافی الشیخ ہو اس کی عالی ہمتی اور رفیع الدرجاتی کا کیا کہنا۔ ذکر و فکر و مراقبہ و مکاشفہ میں کمالات کے حامل ہیں۔ بیعت طریقت میں ایک مثالی شخصیت رکھتے ہیں۔ نیز ان کا دسترخوان ہر خاص و عام کے لیے ہر موقع پر پھیلا ہوا ہے اور وہ بڑی تواضع کے ساتھ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں۔

حاجی باغ علی

حاجی پیر بخش صاحب کے برادرِ عزیز حاجی باغ علی صاحب نے ایک صحبت میں فرمایا کہ مجھے بچپن سے خدا کے راستے کی تلاش تھی۔ اگرچہ جوانی غفلت میں بسر ہو رہی تھی، مگر خدا سے یہی دعا رہتی کہ اللہ تعالیٰ کسی ولی کی خدمت کا موقع عنایت فرمائے۔ خدا نے میری دعا سُن لی حضور تشریف لائے تو میں نے حاجی صاحب سے استدعا کی کہ حضور سے وعدہ کرالیں کہ جب حضور سکھر میں تشریف لائیں تو اسی غریب خانہ پر قیام فرمایا کریں۔ حضور نے ہماری درخواست کو قبول فرمالیا۔

ایک دن عشا کی نماز کے بعد فرمایا صبح آپ کو بیعت کریں گے اور نمازِ فجر کے بعد بیعت فرمالیا۔ حضور نے اسی وقت دل کے اوپر انگشت مبارک رکھ کر اسم اللہ کا اشارہ کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ رگ رگ میں اللہ کا ذکر جاری ہو گیا ہے۔ پھر حضور نے دودھ پی کر آدھا ہم کو عنایت فرمایا اور اسی وقت سے ایک محویت غالب ہو گئی۔ دو روز کے بعد حضور نے فرمایا کہ آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو گا۔ الحمد للہ حضور کے طفیل دیدار نصیب ہوا۔ اور مدینہ منورہ کو اس طرح مِن و عَن دیکھا کہ جب حج کے موقع پر مدینہ منورہ حاضری ہوئی تو خواب میں دیکھے ہوئے مقامات پہچان لیے۔

ایک ماہ کے بعد جب حضور تشریف لائے تو پوچھا آپ نے رسول کا دیدار کیا؟ عرض کیا جی حضور کیا۔ فرمایا۔ پھر دیدار ہو گا۔ اور حضور کی کرم نوازی سے اکثر حضور کی معیت میں دیدارِ پُر انوار کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔

ایک دفعہ بیمار تھا۔ بڑے بھائی حاجی صاحب نے ہم سے کہا ایک جگہ وعظ ہے وہاں چلیں ہم نے کہا ہمیں بخار ہے ہم نہیں جاسکیں گے۔ بھائی صاحب چلے گئے اور ہمیں نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب ایک بہت بڑے مجمع میں وعظ فرمارہے ہیں۔ دَوران وعظ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "زیادہ مذہب کی باتوں میں مت جاؤ۔ اللہ کی نرالی باتیں ہیں۔ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام کا قصہ آپ نے سنا ہے کہ جب نماز میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پشتِ مبارک پہ بیٹھ جاتے تو خدا کا حکم نازل ہوتا کہ جب تک حسینؓ نیچے نہ اتریں آپ سجدے سے سر نہ اُٹھائیں۔ وہاں بھی خدا تھا۔ اور کربلائے معلیٰ میں بھی وہی خدا تھا۔ کیا بات ہے کہ شمر لعین کا خنجر آپ کی گردنِ مبارک پر چلتا ہے اور کوئی حکم نہیں آتا۔ پھر حضرت امام حسین نے سجدے میں یہ دعا مانگی کہ میرے مولا میں اپنا خون آپ کے بندے کو بخشتا ہوں وہ میرا سر کاٹ لے۔ اور قیامت میں اُسے جو ملنا ہے اُسے مل جائے اور جو مجھے ملنا ہے میں لے لوں۔ پھر خواب ہی میں فرمایا۔ یہ باتیں تم نے کسی کتاب میں نہ پڑھی ہوں گی اور نہ کسی مولوی سے سنی ہوں گی۔

ایک دفعہ جب مکان کی تعمیر ہو رہی تھی تو میں نے حضور کو خواب میں دیکھا کہ آپ میرے بائیں بازو کو پکڑ کر ایک مجمع میں سے نکال رہے ہیں۔ آگے بڑھ کر ایک مجلس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں اصحاب کو دیکھا کہ تشریف فرما ہیں۔ اسی وقت یہ آواز سنی " اللہ کرے گا ان کا کام سرانجام ہو جائے گا۔ پھر ہم نے سکنڈ کلاس کے لیے حج کی درخواست دی۔ قرعہ اندازی میں ہمارا اور ماما صاحب کا نام نکل آیا، مگر کسی وجہ سے رَدّ کر دیا گیا۔ میں خیرپور جا کر افسر قرعہ اندازی سے ملا تو انھوں نے کہا سکنڈ کلاس میں تو نہیں، ہاں فرسٹ کلاس میں جگہ خالی ہے۔ اگر چاہیں تو درخواست دیدیں۔ اس کے چھ روز کے بعد اطلاع ملی کہ میرا ٹکٹ بحال ہو گیا، لیکن ماما کا ٹکٹ رد ہو گیا ہے۔ ماما رونے لگا۔ بولا۔ شاید حضور کے دربار سے ابھی طلبی نہیں ہوئی۔ جب جانے کا وقت آیا تو حضور یہاں تشریف لائے۔ حضور کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ کے آئے اور کرسیوں پہ بیٹھ گئے

اس وقت حضور کی خدمت میں ایک میں تھا، دوسرے بھائی صاحب، کوئی تیسرا نہیں تھا حضور نے مجھ سے فرمایا کہ آپ توجہ کی تیاری میں ہیں۔ کیونکہ آپ کا ٹکٹ نکل آیا ہے۔ لیکن ماما صاحب رہے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ماما کو بھی ٹیکہ لگوا کر اپنے ساتھ لیتے جائیے۔ اللہ کرے گا کوئی نہ کوئی جگہ خالی ہو جائے گی۔ میں نے ماما سے کہا، حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ ماما خوش ہو گئے اور کہا انشاءاللہ ضرور چلیں گے۔ وہ بھی تیار ہو گئے۔ ہم نے کسی کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اگر خدانخواستہ ماما واپس آئے تو شرمندگی ہوگی۔ پھر بھی بہت لوگ جمع ہو گئے۔ جتنے ہار آتے ہم ماما کو پہنا دیتے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ میں بھی رخصت کرنے کے لیے کراچی آؤں گا۔ آخر ہم کراچی پہنچے اور ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ لیکن ہمارے ایک مہربان دوست نوراں شاہ تھے، کھانا وہاں کھاتے تھے۔ شاہ صاحب کی متعلقہ افسران سے ملاقات تھی۔ انھوں نے بہت کوشش کی کہ ماما صاحب کو ٹکٹ مل جائے اور اس سلسلہ میں کچھ رقم بھی خرچ کی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس وقت حج آفیسر نیاز صاحب تھے۔ انھوں نے ضمیمہ بیان کیا کہ کراچی والوں کو ٹکٹ کم دیے گئے ہیں، جو جگہ خالی ہوگی کراچی والوں کو دی جائے گی۔ جب ہم اور ماما صاحب ان کے پاس جاتے تو وہ بہت غصہ ہوتے تھے۔ آخر ضد میں آکر انھوں نے کہہ دیا اگر جہاز میں سیٹ خالی بھی ہوگی تو جہاز خالی سیٹ لے کر جائے گا مگر آپ کو سیٹ نہ دوں گا۔ میں ہوٹل میں آکر رونے لگا کہ ماما بیچارا نامراد واپس جائے گا تو ماما نے مجھے تسلی دی کہ اللہ کی مرضی نہیں ہے۔ قسمت میں ہوگا تو آیندہ دیکھا جائے گا۔ میں نے کہا، ہار پھول پہن کر آئے ہیں۔ اب واپس جائیں گے تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ لیکن حضور کا فرمان ہو چکا ہے یہ کبھی غلط نہ ہوگا۔

اب دوسرے دن جہاز چھوٹنے والا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوا کہ حاجی اپنا اپنا سامان لے کر بندرگاہ پہنچیں۔ دفتر بند ہو گیا اور سب کلرک اور افسران چلے گئے۔ ماما وہیں بکنگ آفس کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔ حاجی پیر بخش صاحب حضور کی خدمت میں

پہنچے اور حال بتایا۔ حضرت صاحب نے فرمایا "دفتر جاؤ، ٹکٹ مل جائے گا۔"

ابھی میں اپنا سامان اُٹھا رہا تھا کہ ریڈیو پر دوسرا اعلان ہوا کہ پانچ سیٹیں سکنڈ کلاس کی خالی ہیں۔ ہے کوئی کراچی والا حج پر جانے کے لیے۔ یہ سن کر بہت سے آدمی دفتر کے باہر جمع ہو گئے میں نے سامان وہیں چھوڑا اور لپک کر دفتر کی طرف آیا۔ ایک ایک سیٹ کراچی والوں کو دی جانے لگی۔ یہاں تک کہ چار سیٹیں دے دی گئیں۔ اب صرف ایک باقی تھی۔ دفعتہً اس ہجوم میں ہر شخص کی نظر ماما پر پڑنے لگی۔ ہر شخص ترحم کی نگاہ سے اُن کو دیکھ رہا تھا کہ یہ بیچارا ضعیف بہت تڑپ رہا ہے یہ ایک سیٹ اسے مل جانی چاہیے۔ سب نے ایک رائے ہو کر ہم کو آگے بڑھا دیا۔ میں دفتر میں گیا۔ سامنے نیاز صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام علیک کے بعد کہا۔ اب کراچی والا کوئی نہیں ہے۔ خدا رسولؐ کے واسطے ہماری درخواست منظور کر لیجیے۔ اُس نے کرسی سے اُٹھ کر ہماری درخواست لے لی۔ میرے دل میں امید کی لہر دوڑ گئی۔ جو شخص ہمیں دیکھ کر غصہ ہو جاتا تھا اب نرم ہو گیا ہے۔ یہ میرے مرشد کی دعا کا اثر ہے۔ پھر نیاز صاحب نے فون اُٹھایا اور چار ممبروں میں سے بڑے ممبر کو اطلاع دی کہ پانچ سیٹوں میں سے چار کراچی والوں کو دی گئیں اور ایک اس بوڑھے آدمی کو دیتا ہوں جو دس دن سے تڑپ رہا ہے۔ فون رکھ کر درخواست پر دستخط کر دی۔ اتنی دیر میں دوسرے ممبر صاحبان بھی آ گئے اُن کے سامنے درخواست رکھ دی۔ انھوں نے کہا "آپ نے پہلے ہی دستخط کر دی تو اب ہم سے کیا پوچھتے ہیں۔ اسی وقت بھائی صاحب نے حضرت صاحب کو اطلاع دی کہ افسر کا دل نرم ہو گیا ہے اور وہ باغ علی کو ٹکٹ دے رہا ہے۔ گیارہ بجے رات کو ٹکٹ ملا اور ہم دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر صبح کے وقت ماما کے ساتھ جہاز پر آئے تو دیکھنے والوں کو بڑا تعجب ہوا کہ ان کو ٹکٹ کیسے مل گیا۔ جہاز کی روانگی کے وقت نیاز صاحب آئے اور ماما سے ہاتھ ملا کر کہا ہمارے لیے بھی دعا کرنا۔ اس طرح حضور کی دعا سے بگڑا ہوا کام بن گیا اور ہم دونوں فریضۂ حج ادا کر کے واپس آ گئے۔ فالحمدُ للّٰہ!

مصطفائی آئی کیمپ

۱۹۵۴ء میں حضرت صاحب نے سکھر کے اخوانِ مصطفائی کو خدمتِ خلق پر آمادہ کیا۔ اس وقت عیسائی مشنری کے ارکان سکھر، شکارپور اور جیکب آباد وغیرہ میں آنکھوں کے آپریشن کے لیے کیمپ قائم کرکے عیسائیت کی دزدیدہ تبلیغ کیا کرتے تھے اور ان شہروں کا جاہل طبقہ ارتداد و منافقانہ اعتقاد کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ حضور نے حکم دیا کہ تم ان کے مقابلہ میں اپنی اسلامی خدمات پیش کرو اور بھولے بھالے عوام کو ارتداد کی لعنت سے بچاؤ۔ اگر تم خلوصِ نیت کے ساتھ ان سے بہتر خدمات انجام دوگے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ تمھیں کامیاب نہ کرے۔ سکھر کے اخوانِ مصطفائی نے اسی سال کیمپ کا انتظام کیا۔ اور منارہ معصوم شاہ کے نیچے ایک خراب و خستہ مکان کی مرمت کرکے کیمپ کا افتتاح کر دیا۔ حضرت صاحب نے ڈاکٹر ایم ایم حسن ایف، آر، سی، ایس آئی اسپیشلسٹ اور ڈاکٹر غلام اللہ اعوان کو آپریشن کے لیے مقرر کیا۔ نیز ڈاکٹر حیدر خان سنگھائی اور ڈاکٹر اخگر صاحبان نے بھی خدمات انجام دیں اور بالکل مفت آپریشن کرتے رہے۔ اس کیمپ میں تمام افسرانِ اعلیٰ و بالا نے اس طرح عام خدمتگاروں کی طرح امورات انجام دیے کہ اس کی کہیں مثال نہیں۔ کمشنران وکلا اور جج صاحبان جن کی ملاقات معززین کے لیے باعثِ فخر ہوتی ہے، مفلسوں، فقیروں اور دیہاتیوں کو اسٹریچر پر اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ اور ایک ایک مریض کی ایسی نگرانی و تیمارداری کی جاتی تھی جس طرح حقیقی بھائی اپنے بھائیوں کی کرتے ہیں۔ حضرت صاحب صبح سے نصف شب تک بہ نفسِ نفیس کھڑے کھڑے گزار دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ کچھ اخوان حیدرآباد اور کراچی سے بھی آئے تھے

اور سکارپور، میرپور ماتھیلو اور جیکب آباد وغیرہ کے اخوان کے ساتھ مل کر مریضوں کو دودھ پلانے کھانا پانی پہنچانے اور اُٹھانے بٹھانے کی خدمات انجام دیتے تھے۔ مریضوں سے فیس لینا تو درکنار، کھانا پینا، دودھ، دوا، بعض ناداروں کو عینک اور بعض کو اُن کے مکان تک پہنچنے کا کرایہ تک دیا جاتا تھا۔ صبح کے وقت ایک ایک وارڈ میں پہنچ کر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی۔ ماسٹر حبیب الرحمٰن صاحب جو آج تک "مصطفائی آئی ہاسپٹل" سے اعزازی صورت میں متعلق ہیں، رکوع تلاوت کرتے اور کبھی حکیم ذوقی کو تلاوت کا حکم دیا جاتا۔ ہر وقت کی باجماعت نماز کیمپ میں ہوتی۔ داخلی اور بنیادی انتظامات میں حاجی پیر بخش صاحب وکیل محمد حسین صاحب اور معززین شہر دل و جان سے مصروف رہتے۔ روزانہ پچاس ساٹھ مریضوں کا آپریشن کیا جاتا اور لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے کہ خلافِ توقع سو فیصدی آپریشن کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت کے تصرف باطنی اور اخوان کے خلوصِ نیت کا نتیجہ تھا۔

اسی دَوران معلوم ہوا کہ جیکب آباد میں عیسائی مشنری نے کیمپ قائم کر کے اپنی تبلیغ کا کام زوروں پر شروع کیا ہے، تو حضرت صاحب وہاں تشریف لے گئے اور وہاں بھی مصطفائی آئی کیمپ قائم کر دیا۔ یہ دیکھ کر عیسائی آئی کیمپ کا پادری حضور کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ہم یہاں مریضوں کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں، ہم یہاں کے لیے کافی ہیں۔ حضرت صاحب نے اخلاق کے ساتھ جواب دیا۔" یہ ایک نیک کام ہے اور قرآن کریم میں ہم کو حکم دیا گیا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ، نیکیوں میں دوسروں سے آگے بڑھ جاؤ۔ آپ جو نیک کام کر رہے ہیں اس میں مریضوں کو کچھ نہ کچھ خرچ کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم بغیر کسی خرچ کے مریضوں کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ اپنا نیک کام جاری رکھیے اور ہم اپنا کام کرتے رہیں اس میں ایک دوسرے کو منع کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پادری لاجواب ہو کر چلا گیا۔ لیکن چونکہ زیادہ تعداد مریضوں کی

مصطفائی آئی کیمپ کی طرف چلی آئی تھی اور عیسائی کیمپ میں مریض کم پہنچتے تھے اس لیے پادری اس سے خوش نہیں رہے۔

کئی سال تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ گرمیوں میں ناموافق موسم ہونے کی وجہ سے آپریشن بند کر دیا جاتا اور سردی شروع ہوتے ہی آپریشن جاری ہو جاتا۔ پھر سکھر کے اخوان نے اپنی عالی ہمتی اور شوقِ خدمت میں آگے بڑھتے ہوئے رائے قائم کی کہ بجائے عارضی کیمپ کے اگر مستقل ہسپتال بنا دیا جائے اور ایرکنڈیشننگ کا معقول انتظام کر دیا جائے تو برابر سال بھر ہر موسم میں آپریشن کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں سکھر کے افسران اور با اختیار حکام نے پوری پوری ہمت افزائی کی۔ سول ہسپتال کے نزدیک ایک زمین الاٹ کر دی۔ وہاں کسی قدر مستقل ہسپتال جاری کر دیا گیا۔ اور اب مخیر حضرات اس نیک کام میں سبقت کرتے ہوئے اس کی پختہ تعمیر میں دل و جان سے کوشش کر رہے ہیں۔ اور تعمیر شروع کی جا چکی ہے۔ اس کے عین بالمقابل ایک مسجد کے لیے بھی جگہ گھیر لی ہے اور حضرت مادر جان صاحبہ مدظلہا العالی کے آپریشن کے وقت اس مسجد کا نام بیرانی مسجد رکھ دیا گیا۔ مادر جان صاحبہ نے ایک معتدبہ رقم اس کی تعمیر کیلیے عنایت فرمائی اور اخوانِ مصطفائی نے بھی حسب حیثیت حصہ لیا۔ امید ہے کہ عنقریب اس کی تعمیر بھی شروع ہو جائے گی اور ہسپتال کے عملہ، مریضوں اور تیمارداروں کے لیے پنج وقتہ نماز کا بہترین انتظام ہو جائے گا۔

مصطفائی آئی ہسپتال سنہ ۱۹۶۴ء سے اسی شوق و جذبہ کے ساتھ خدمات انجام دے رہا ہے، جہاں ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ یحیی، متخصص امراض چشم ڈپلوما لنڈن، بڑی دلچسپی اور خلوص نیت کے ساتھ آپریشن کا کام انجام دے رہے ہیں۔ یہ مغربی پاکستان کے اول درجہ ماہرین چشم میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ نہایت خلیق، رحم دل، نرم زبان، خندہ پیشانی، محنت کش اور فرض شناس انسان ہیں۔ یہ ادنیٰ مریضوں سے بھی نہایت مہربانی اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ان کی پانچ سالہ خدمات کے

عرصہ میں کسی مریض یا ہسپتال کے کسی کارکن کو ان کی شکایت میں ایک حرف نکالنے کا موقع نہیں آیا ہر شخص آپ کے کمالِ فن اور اخلاق و کردار کا مداح ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ ابھی تک انھوں نے اپنی خدمات کے عوض ایک پیسہ ہسپتال سے نہیں لیا ہے۔ بالکل مفت فی سبیل اللہ خدمات خلوص سے انجام دیتے ہیں۔ بعض مخیر حضرات جو علاج کے بعد بہ طریقِ اعانتِ بالخیر کوئی رقم دینا چاہتے ہیں تو اُن کے لیے ایک مقفل صندوق رکھ دیا گیا ہے وہ اپنے ہاتھ سے اس میں ڈال دیتے ہیں اور وہ رقم ہسپتال کے ضروری اخراجات میں شامل کر لی جاتی ہے۔

تنظیمی امورات میں ابتدائی کیمپ سے اب تک محمد حسین صاحب مصطفائی ایڈوکیٹ آفیسر میونسپلٹی سکھر یکساں جذبہ کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔ وہی اس کارِ خیر کے بانی، سکریٹری کے فرائض اور ناظمِ اعلیٰ کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اس ہسپتال کی کارگزاری اور کامیابی کا دارومدار ان ہی کی قابلیت و صلاحیت پر ہے۔ یہ ہسپتال کے کارکنوں اور اعزازی ممبروں میں اتحاد دلی اور ربط باہمی پیدا کرنے کے علاوہ حکومت کے افسرانِ بالا اور معززینِ شہر سے روابط قائم کرنے کی کوششیں بھی جاری رکھتے ہیں۔ ہسپتال کے لیے آلاتِ جراحی اور ضروری ادویہ کی فراہمی جناب ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ یحییٰ صاحب کے مشورے کے مطابق بجالاتے ہیں۔ آپریشن ہونے کے بعد مریضوں کو دس روز تک ہسپتال میں ٹھہرنے کے دَوران اُن کے کھانے پینے، دُودھ اور دیگر ضروریات کا بخوبی انتظام کرتے ہیں اور روزانہ اپنے فرصت کے اوقات کو ہسپتال کے لیے وقف کر چکے ہیں۔

حاجی پیر بخش صاحب بھٹو مالک پیر بخش اینڈ برادر فاؤنڈری اس ہسپتال کے خزانچی ہیں اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ ہسپتال کے آمد و خرچ کا حساب رکھتے ہیں۔ ہر سال ایک مرتبہ یا بالضرورت دو مرتبہ ہسپتال کے ممبران اور رؤسائے شہر کی مجلس بلائی جاتی ہے جس میں سالانہ رُوداد حساب آمد و خرچ اور ضروری تجاویز پیش کر کے مشورے لیے جاتے ہیں اور ہر شخص

بقدر ہمت رقوم عطیہ دے کر اس کارِ خیر میں شرکت کرتا ہے ۔

جناب ماسٹر حبیب الرحمن صاحب مصطفائی جو ریلوے اسکول میں تعلیمی خدمات انجام دیتے ہیں انھوں نے بھی اپنی فرصت کے اوقات کو ہسپتال کے لیے وقف کر دیا ہے ۔ بیحد خلیق اور ہمدرد انسان ہیں ہسپتال ہی میں رہتے ہیں اور راتوں کے ہر حصہ میں ہر ایک مریض کی ضرورت پر اپنی خدمات پیش کرتے ہیں ۔ یہ بھی ابتدائی کیمپ سے آج تک رضاکارانہ خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ آپریشن کے دوران ڈاکٹر صاحب کی ہر ممکن اعانت پر کمر بستہ رہتے ہیں ۔

سنہ ۱۹۶۸ء میں حاجی محمد رفیق صاحب مالک "نینسی فرنیچر" سکھر نے ہسپتال کیلیے ایک پختہ وارڈ تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تھا اور سنہ ۱۹۶۹ء میں یہ شاندار وارڈ تعمیر کر دیا جسے ممبرانِ ہسپتال نے "رفیق وارڈ" کا نام دیا ہے ۔

جناب مرزا صاحب بندوق والے سکھر بھی ایک سرگرم سوشل کارکن ہیں جو ابتدائے کیمپ سے اب تک والہانہ اور مجاہدانہ خدمات انجام دیتے رہے ہیں ۔ اور آپ نے بغیر طلب شہرت و نام ونمود ہر طرح دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے حصہ لیا ہے ۔ آپ شہر کے سوشل ورکر ہونے کی وجہ سے ہر دلعزیز اور اخلاقی شخصیت کے مالک ہیں ۔

اسی طرح حافظ محمد صدیق صاحب سابق چیرمین میونسپل بورڈ سکھر بھی ابتدائی کیمپ سے اب تک قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اور ریا ونمود سے مبرا ہیں ۔ نیز محمد تاج الدین احمد مصطفائی بھی اس ادارہ کے بہترین منتظم اور مشیر ہیں ، اموراتِ خیر اور سماجی سرگرمیوں میں وافر حصہ لیتے ہیں اور ان سب کے ساتھ سیٹھ عبدالغفار مصطفائی ، خلیل اللہ خاں صاحب مصطفائی اور دیگر اخوانِ طریقت نے بھی اس کی اعانت میں کافی حصہ لیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اِن سب ابرار و اخیار و صالحین کو دنیا و آخرت میں زیادہ سے زیادہ اجرِ جمیل و ثوابِ جزیل عطا فرمائے !

آخری ایام میں چمن مسیح جو حیدر آباد کے اسسٹنٹ پادری اور چرچ کے تنخواہ دار مبلغ تھے مشرف بہ اسلام ہوئے تو حضرت صاحب نے اُن کو "مصطفائی آنکھوں کے ہسپتال" میں ضروری دیکھ بھال کے لیے تنخواہ دار کارکن مقرر کر دیا۔ وہ مع اپنی بیوی اور چار فرزندوں کے ہسپتال ہی میں رہ کر بڑی سرگرمی اور وفاداری سے خدمات انجام دیتے ہیں۔ ایک حافظ مولوی کو مقرر کیا گیا ہے جو ان کو قرآن و نماز اور دیگر ضروری مسائل کی تعلیم دیتے ہیں۔

ڈاکٹر سراج الدین

ڈاکٹر سراج الدین صاحب میرپور ماتھیلو میں مطب کرتے اور اپنے فنی اور روحانی کمالات سے مریضوں کو شفا سے ہمکنار اور اپنے فیوضات سے راحت و آرام پہنچاتے ہیں۔ انھوں نے ایک مختصر ملاقات میں بیان فرمایا :-

"میں اسٹیشن حیدر آباد کے قریب ڈسپنسری قائم کر کے مریضوں کی خدمت میں مصروف اور کسی بزرگ کی صحبت و زیارت کے لیے بہت بے چین تھا۔ سنہ ۱۹۵۴ء میں میرے والد صاحب کے ایک دوست سید محمد طاہر شاہ جو شرق پور شریف کے مرید تھے، حج کے ارادے سے کراچی آئے، لیکن حج پر جانے کا موقع نہیں ملا۔ انتہائی رنج و غم کے عالم میں اُن کو بشارت دی گئی کہ جاؤ حضرت پیر ایرانی کی خدمت و صحبت میں حج کا ثواب حاصل کرو۔ وہ حیدر آباد آ کر حضرت صاحب کی صحبت و بیعت میں داخل ہو گئے۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ اپنوں میں ڈاکٹر سراج الدین یہاں ہیں تو مجھ سے ملاقات کی حضرت صاحب کے حالات بتائے اور فرمایا کہ پیر ایرانی صاحب زمانے کے قطب ہیں۔ پھر انھوں نے میرے والد جناب مولوی نواب الدین صاحب کو بلا لیا اور وہ بھی حضرت صاحب کی خدمت میں جانے لگے۔ ایک دن مجھے نہلا دھلا کر حضرت صاحب کی خدمت میں لے گئے اور حضور سے بیعت کی درخواست کی۔ حضور نے ازراہِ کرم مجھے بیعت فرما لیا۔ اور کچھ روز کے بعد مجھے حکم دیا کہ یہاں کی ڈسپنسری فروخت کر کے میرپور ماتھیلو میں قیام کرو اور خلق اللہ کی خدمت میں مصروف ہو جاؤ۔ وہاں تمھاری زیادہ ضرورت ہے

اور خود ہی وہاں میرا انتظام فرما دیا۔ اب میں یہاں اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہوں۔
میں نے حضور کی اس قدر کرامات دیکھی ہیں جن کو بیان کرنے کیلئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔ صرف
ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اس سے حضرت صاحب کی شانِ غوثی اور دستگیری کا اندازہ ہو جائے گا۔

میرا بھائی ناصر الدین زمین پر زراعت کی آبیاری کے سلسلے میں کنویں پر مصروف تھا
اونٹ چل رہا تھا اور خود تختہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ آخرِ شب کی خنک اور مسکن ہوا سے نیند آ گئی۔ دفعتہً
محسوس کیا کہ کسی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا ہے۔ نظر اُٹھا کر دیکھا حضرت صاحب ہیں جنھوں نے اونٹ
کو روک کر بھائی کو ہاتھ پکڑ کے کھینچ لیا ہے۔ جیسے ہی وہ ایک طرف ہٹا کنواں اور اس کے آس
پاس کی زمین نیچے بیٹھ گئی۔ اگر ایک لمحہ حضرت صاحب مدد کو نہ آتے تو بھائی اور اونٹ دونوں کنویں
میں دفن ہو گئے ہوتے۔ پھر صبح بھائی نے آکر مجھ سے بتایا کہ حضرت صاحب تشریف لائے ہیں اور انھوں
نے اس طرح ہمیں حادثہ سے بچا لیا ہے۔ میں نے کہا حضرت صاحب تو تشریف نہیں لائے ہیں تم نے
خواب دیکھا ہوگا۔ بھائی نے کہا "نہیں میں نے بیداری میں دیکھا ہے یہ خواب ہرگز نہیں ہو سکتا۔
لیکن حضور حیدر آباد میں تشریف رکھتے تھے۔"

ڈاکٹر سراج الدین صاحب نے بتایا کہ سید شہباز علی صاحب امام و خطیب اور
یہاں کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ بیمار تھے اور ان کا آخری وقت تھا۔ انھوں نے شرط کی تھی کہ
میری نمازِ جنازہ میرے پیر و مرشد حضرت صاحب ہی پڑھائیں گے۔ اس وقت حضرت صاحب وہاں
موجود نہ تھے۔ لیکن ایک روز پہلے تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا "چلو شہباز علی صاحب کی عیادت کو
چلیں۔ میں حضور کے ساتھ ان کی ملاقات کو گیا۔ اُسی روز انھوں نے انتقال فرمایا۔ اور دوسرے
دن حضرت صاحب اُن کی نمازِ جنازہ پڑھا کر لاہور تشریف لے گئے۔ اس طرح ہر شخص نے آپ کی
بہت کرامتیں دیکھی ہیں ان سب کا ایک جگہ جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔

عنایت اللہ خان اعوان

اعوان صاحب کی شخصیت بھی خصوصیات و مقامات کی حامل ہے۔ آپ کو حضرتِ قبلہ مدظلہم العالی سے جو فیوضات وکرامات حاصل ہوئیں وہ ان کو بڑی تفصیل و تدویق کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور یہ اندازہ مشکل نہیں ہوتا کہ ان کو اعلیٰ حضرت مدفیوضہم سے ظاہری اور باطنی بڑے بڑے فوائد حاصل ہوئے ہیں۔

ماہنامہ المصطفےٰ میں ان کا ایک واقعہ بھی شایع ہوچکا ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ شام کے وقت گھوڑا گاڑی میں سیر کرتے ہوئے تیز رفتاری کی وجہ سے گاڑی الٹ کر ایک گڈھے میں جا گری اُن کا ایک بچہ جو اس تفریح میں اُن کے ساتھ تھا شدید زخمی ہو کر بیہوش ہو گیا۔ ہسپتال میں کئی ڈاکٹر مایوسی کے عالم میں حتی المقدور کوشاں تھے اور خاندان کے تمام افراد بے چینی کے ساتھ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا تھا مایوسی بڑھتی جاتی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس ناامیدی کے عالم میں مجھے خود اپنی ضربات کا احساس ہونے لگا جنھیں بچے کی تکلیف کے سامنے نظر انداز کرتا رہا تھا۔ اور میں کمزوری کے ساتھ دالان میں دروازے کے پاس دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ شاید وہ غنودگی کا عالم تھا یا بیہوشی کا، میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب پُر وقار اندازِ رفتار سے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے مجھے دونوں بازو پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے فرمایا۔ "جاؤ دیکھو بچہ ہوش میں آگیا ہے۔ گھبراؤ نہیں وہ اچھا ہو جائے گا۔" میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اندر جا کر دیکھا بچہ کو ہوش آچکا تھا۔ اور جلد ہی وہ تندرست ہو گیا۔

اس قسم کے تجربات دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں مریدوں کی زندگی میں محفوظ ہیں اور یہ یقین کرنا ناگزیر ہے کہ مریدین کی اس کثرت کے باوجود آپ کی توجہ ہر ایک کے ساتھ یکساں مرکوز رہتی ہے اور ہر ایک اس کے اثرات محسوس کرتا ہے۔

قاضی صلاح الدین

حضرت صاحب کے خاص مقربین میں قاضی صلاح الدین صاحب بھی بڑی کرامات و درجات کے حامل ہیں۔ انھوں نے بیعت ہونے کے بعد حضرت صاحب کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات سے کماحقہٗ فیض حاصل کیا اور عرصہ دراز تک صحبت و قربت میں رہ کر ارادت کا پورا حق ادا کیا ہے۔ ان کو اعتقاداً و عملاً حضرت صاحب سے خاص نسبت حاصل ہے۔

حضرت صاحب نے مغربی پاکستان کا جو اربعینی سفر اختیار فرمایا تھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے بیس بائیس مریدوں کو چالیس روز تک سیر آفاقی کی تعلیمات سے سرفراز فرماتے رہے تھے (اس کا مفصل بیان ماہنامہ "المصطفےٰ" کے مسلسل شماروں میں "اخوانِ مصطفائی کا اربعینی سفر نامہ" کے عنوان سے شایع ہو چکا ہے) اس میں اگرچہ حضور نے حکم دیا تھا کہ وہی لوگ شامل ہوں جو بغیر کسی دنیاوی نقصان یا کاروباری تعطل کے شریک ہو سکتے ہوں۔ اگر کسی خاندان کے دو آدمیوں نے ایک ساتھ شرکت کی درخواست کی تو حضور نے ایک کو اجازت دی اور دوسرے کو خاندان اور کاروبار کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے چھوڑ دیا۔ کیونکہ حضور کو قومی جدوجہد اور سفر و حضر کی صحیح تعلیم دینا تھا کہ کہیں کوئی خلا یا انتظامی کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ لیکن جب صلاح الدین بھائی نے چھٹی نہ ملنے پر اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا تو حضور نے اسی میں بہتری دیکھ کر ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دیدی (حضور نے اپنی تعلیمات میں اکثر ارشاد فرمایا ہے کہ دربارِ الٰہی میں تمھارا جذبۂ قربانی دیکھا جاتا ہے اور تمھارے ترکِ مالوفات کی قدر کی جاتی ہے)۔ چنانچہ صلاح الدین بھائی دَورانِ سفر مکمل چالیس روز تک سفر کے حساب و کتاب کا کام انجام دیتے رہے۔ واپسی پہ اُن کو پہلی ملازمت سے بہتر ملازمت ملی۔ پھر جنگلات کی ٹھیکیداری میں ایسے

شریک کار ہوئے کہ خود مختاری کے ساتھ ایک عظیم ٹھیکیدار کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اُس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے۔ مگر حضرت صاحب مدظلہم العالی کی تربیتِ عامہ کا اثر جو کم و بیش ہر مرید سے ظاہر ہوتا ہے یہ کہ ان کی حالت و مزاج میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ ادارہ المصطفےٰ کے اہم امورات میں بیش از بیش حصہ لیتے ہیں سالانہ تینوں تقریبات (عرس شریف حضرت دادا پیر خواجہ محمد قاسم کیانی موہڑی قدس سرہ العزیز ۱۸ ذیقعد، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول اور رجبی شریف ۲۷ رجب المرجب) میں مہمانوں کا انتظام اور لنگر وغیرہ کا اہتمام بغیر کسی خواہشِ نام و نمود کے کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مستحق اخوانِ مصطفائی کے ساتھ بالخصوص اور عامۃ الناس کے ساتھ بالعموم کسی امداد و ایثار سے دریغ نہیں کرتے۔ سلوکِ طریقت میں بھی بلند و بالا مقام پر فائز ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سکھر میں حاجی پیر بخش صاحب، نواب شاہ میں حاجی محمد صدیق صاحب، کراچی میں حسین علی صاحب اور حیدرآباد میں قاضی صلاح الدین صاحب اخوانِ مصطفائی کے لیے مثالی نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے خلوص، ایقان اور درجات و مراتب میں بیش از بیش ترقی عطا فرمائے۔

یہ چند اخوانِ مصطفائی جن کا یہاں ذکر کیا گیا مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ہے ورنہ ہزارہا اخوانِ مصطفائی اس سے زیادہ کرامات و خوارق کے شاہد ہیں۔ اور ہر شخص اپنی جگہ حیرت انگیز تجربات کا حامل ہے۔ ان حالات و واقعات کو جمع کرنا ایک اہم کام ہے اور اس کے لیے ایک علیحدہ دفتر کی ضرورت ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اخوانِ مصطفائی اس کام کی طرف توجہ کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پُرخلوص بندوں کی یادگار ہمیشہ تازہ رکھنے اور اُس سے فیض پہنچانے کے لیے خود اسباب پیدا کرتا اور انتظام فرما دیتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

انداز تربیت و ارشاد

حضرت صاحب کا انداز تربیت وارشاد مخصوص ہے۔ آپ سلوک کی تعلیم اور اخلاقی تربیت میں بقدرِ ضرورت تکلّم و کلام سے کام لیتے ہیں۔ بعد نمازِ مغرب و مراقبہ آپ کی تقریر علمی انداز کی ہوتی ہے جس میں حاضرین کو ضروری معلومات کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں، جو زیادہ تر اخلاقیات اور اُسوۂ حسنہ پر مبنی ہوتا ہے۔ آپ متواتر حقوق نفس، حقوق العباد اور حقوق اللہ کے علمی وقوف اور عملی طریقوں سے روشناس کرتے ہیں کہ حقوق اللہ کی ادائگی اور ان کی قبولیت کا دار و مدار حقوق العباد پر ہے اگر حقوق العباد میں کوتاہی ہوگی تو حقوق اللہ کو قبولیت حاصل نہ ہوگی۔ اور حقوق العباد کا دار و مدار حقوقِ نفس پر ہے۔ جب تک حقوقِ نفس میں عدل و انصاف نہ کیا جائے گا حقوق العباد صحیح طور پر انجام نہ پائیں گے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے نفس کا حق ادا کرنے میں کمی یا زیادتی کرتا ہے تو دوسروں کے حقوق میں بھی عدل وانصاف قائم نہ کرسکے گا۔ مثلاً نفس کے بنیادی حقوق — کھانا پینا، سونا جاگنا، حرکت وسکون، احتباس واستفراغ وغیرہ میں اعتدال نہیں برتتا تو زیادتی کی حالت میں دوسروں کا حق اپنے نفس کو دیتا ہے یہ دوسروں کے ساتھ ناانصافی ہے اور کمی کی حالت میں صحتِ نفس برقرار نہیں رکھ سکتا جس سے حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائگی میں کوتاہی ہوتی ہے۔ تقاریر کے علاوہ اعلیحضرت مدظلہم العالی نے اپنی تعلیمات کو مینائے مصطفائی اور میکدۂ مصطفائی نیز شجرۂ مصطفائیہ کی صورت میں سنداً و تحریراً بھی اپنے مریدین تک پہنچا کر ارشاد کا حق ادا کر دیا ہے جو خانوادۂ مصطفائی کے لیے ختمیت کا مرتبہ رکھتا ہے۔ سلوک میں آپ کی تعلیم تصرفاتِ باطنی پر موقوف ہوتی ہے۔ اور مختصر کلمات کے ذریعہ اسباق عنایت فرماتے ہیں۔ اوامر کی ادائگی اور نواہی سے اجتناب کیلیے فرداً فرداً تنبیہ و تاکید نہیں فرماتے بلکہ آپ کی توجہ و تصرف سے مریدین کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ آپ بنیادی امورات کے مقابل فروعی امورات پر لزومی توجہ نہیں فرماتے جیسا کہ اکثر مشائخ فروعات میں مبتلا ہو کر اصل اصول کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

آپ مریدین کی بنیادی اصلاح فرماتے ہیں تو فروعات خود بخود اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب نے بعیت سے پیشتر مجھ سے کہا کہ "میں حضرت صاحب سے بعیت کرنا چاہتا ہوں لیکن میں داڑھی مُنڈاتا ہوں اور فی الحال رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہے وہ مجھے بعیت فرمائیں گے یا نہیں؟" میں نے کہا۔ "ضرور بعیت کریں گے اور داڑھی رکھنے کی تاکید بھی نہیں فرمائیں۔ آپ کو صرف اسباق پر عمل کرنا ہوگا۔ پھر آپ کا خود ہی جی چاہے تو داڑھی رکھ لیجیے گا۔" چنانچہ بعیت ہونے کے چند ماہ بعد ہی انھوں نے مشرع داڑھی رکھ لی جس سے ان کا چہرہ بارعب اور پُر وقار نظر آنے لگا۔ غرض مستعد طبائع میں آپ کا تصرف فاعلِ غالب کی طرح کارفرما ہوتا ہے۔

سماع

اعلیٰ حضرت مدظلہم العالی چشتیہ سلسلہ کے مجاز ہونے کے باوجود شرائطِ سماع کے مفقود ہونے کی وجہ سے رسمی سماع میں شرکت نہیں فرماتے اور "انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم" کہہ کر اس مسئلہ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ آپ کا یہ احتراز عام مریدوں کو خطراتِ سلوک سے بچانے پر مبنی ہے کیونکہ رسم قرار پانے پر نااہل بھی شریک ہو جاتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ لیکن:

کسانے کہ ایزد پرستی کنند　　　　بہ آوازِ دولاب مستی کنند

حضرت صاحب بغیر مزامیر کے نعتیہ و عشقیہ اشعار سماعت فرماتے ہیں اور آپ کو خاموش تواجد بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق چونکہ بلا واسطہ سرّ و خفی سے ہوتا ہے اس لیے اس کی اتباع میں جسم کو حرکت کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عوام رسالت کو سلطنت سے متمیز نہیں کر سکتے اور ان کا راستہ کھوٹا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کی زندگی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نہایت مصفیٰ و مزکّیٰ زندگی ہے۔ اللہ تعالےٰ جملہ اخوانِ مصطفائی کو آپ کے نقشِ قدم پر چلا کر یہی زندگی عطا فرمائے۔ اور آپ کے سایۂ عاطفت کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

ادب پروری و شعر نوازی

ہمارے اعلیٰ حضرت قبلہ مدظلہم العالی نے اپنی دیگر خدمات کی اہم مصروفیتوں کے باوجود ادب و شاعری کو بھی اپنی توجہات و عنایات سے محروم نہیں فرمایا ہے۔ آپ کی سرپرستی میں ادارہ المصطفےٰ نے پہلے "انسانی معراج کے لیے تیرہ نکات" اور شجرۂ اول شایع کیا۔ پھر اسی ادارہ سے چھ سال تک ماہنامہ المصطفےٰ نکلتا رہا اور حضرت صاحب دو ہزار روپیہ سالانہ عنایت فرما کر اسے سہارا دیتے رہے۔ اس کے بعد ادارہ نے ملفوظات کی اشاعت کرنی چاہی تو آپ کی توجہ و عنایت سے "مینائے مصطفائی" دورِ اول اور دورِ دوم پھر "میکدۂ مصطفائی" جلد اول کتابیں شایع کیں۔ پھر شجرۂ دوم مع خصوصی تعلیمات کے جیبی تقطیع میں شایع کیا۔ یہ سب کتابیں ادارہ المصطفےٰ گنج بخش پڑ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ حضور کی یہ ادب نوازیاں علمی خدمات میں کچھ کرتے رہنے کے جذبہ اور لگن کے ماتحت ہوتی رہی ہیں! اور ان سے اپنے غلاموں کو یہ سبق دینا بھی مقصود رہا ہے کہ انسان کو عملی زندگی اختیار کرنے میں اہم مصروفیات کے بہتر اور عمدہ راستے اور طریقے کیا کیا ہیں۔ ادارہ المصطفےٰ کے ماتحت "مصطفےٰ لائبریری" بھی قائم ہے جس میں دینی کتب کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی خاص کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔

اگرچہ شاعری کے لیے ولایت لازم نہیں لیکن ولایت کے لیے شاعری لازم ہے اسی لیے شاعری کو جزوِ پیغمبری بھی کہا گیا ہے اور تجربات سے ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر مشاہیر اولیائے کرام نے شاعری سے تعلیمات اور ذوق و شوق کے اظہار کا کام لیا ہے اور سوز و گداز پیدا کیا ہے۔

ہمارے حضرت صاحب ابتدا سے اپنی مادری زبان میں تو شعر فرماتے ہی تھے جیسا آپ کے

ابتدائی حالات میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پاکستانی قومیت اختیار کرنے کے بعد آپ نے اردو میں بھی کہنا شروع کیا۔ کچھ روز تک اپنے ہی دولت کدہ پر ماہانہ مشاعرہ منعقد فرماتے رہے جس میں شہر کے معززین اور مشہور شعرا شرکت فرماتے تھے۔ حضرت صاحب نے اپنے مزاج و طبیعت کے تحت جدید مشاعروں کی لغویتوں اور بے راہ رویوں کی اصلاح کا ارادہ فرمایا۔ اور رسم جاری کرنی چاہی کہ دوران مشاعرہ، محفل میں لوگ سگریٹ نوشی اور بیہودہ شور و شغف سے باز رہ کر سنجیدگی کے ساتھ کلام سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں۔ لیکن چند سستی شہرت قبول کرنے والوں میں بعض اڈیٹر اور رکیک ذہنیت کی تاریکیوں میں بیجا تعلّی کا سہرا لٹکانے والوں میں بعض ادیبوں نے نہ صرف یہ کہ قبول کرنے سے انکار کیا، بلکہ ایسے چراغ پا ہوئے جیسے ان کے ایمانیات کے محل پر کفر کی بجلیاں ٹوٹ پڑی ہوں۔ آخر حضرت صاحب بیرونی مشاعروں کی صدارت قبول فرمانے سے رُک گئے اور اپنے مشاعروں کو بھی کم کر دیا۔ اب سال میں تین مقررہ تقریبات کے موقع پر سلجھی ہوئی اور پاکیزہ طبیعت رکھنے والے اساتذہ اور شعرا شرکت فرماتے اور ادب و شعر کی نورانیت سے مستفید ہوتے اور کرتے ہیں ذیل میں حضرت صاحب کے فارسی اور اُردو کلام کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں جو آپ کی ژرف نگاہی اور معنی آفرینی کے ثبوت کیلیے کافی ہیں۔

فارسی غزلیات

ذکر و تسبیحِ طیور ست و یا غلغلِ حور ؟
طلعتِ اوست نمودار و یا صبحِ نشور

دفترِ علمِ مبین ست بہ ہر برگِ درخت
چہ توان کرد کہ بے بہرہ بود دیدۂ کور

کمرِ خدمت ازاں بستہ ام اے شانِ جمال
کہ ترا می رسد از بندگیم حظّ و سرور

گفتہ بودی کہ بیا، تا بجرم آمدہ ام
حسرتِ دید کشید ست مرا از رہِ دُور

اے بسا راز کہ بیرون شدہ از پردہ غیب
وے بسا سِرّ کموں منتظرِ حکمِ ظہور

کوثرِ علمِ لدنی ہست درونِ دلِ ما،
می شود شعشعۂ ساغر ازان مہبطِ نور

مصطفیٰ را برسانید بہ خلوت گہہ قدس
در نیاید بہ قیاس این کرمِ ربِ غفور

دیگر

دل را چو زلفِ خویش پریشان چہ میکنی؟
اُو را اسیرِ مجمعِ خوبان چہ میکنی!

ہر کس براہِ عشق بمیرد، نہ مردہ است
اے جان خیالِ خویش پریشان چہ میکنی

در سوزِ عشق سینۂ پر شعلہ بایدت
گر عشق نیست سینۂ سوزان چہ میکنی

مشقِ جنون ز دست وگریبان شود بکار
لیلیٰ دشتی تو چاک گریبان چہ میکنی

با گریہ ہائے نیم شبی دل شگفتہ دار
ابرِ بہار نیست گلستان چہ میکنی

در سینۂ کہ جوہرِ عشقِ رسول نیست
در این صدف تو قطرۂ نیسان چہ میکنی

لیل و نہار پر توِ زلف و رُخ کسے ہست
بے نورِ عشق شامِ غریبان چہ میکنی

عالم ز دست رفت و دلِ مصطفیٰ گرفت
اے غائب از نظر تو ئی پنہاں چہ میکنی

دیگر

اے حسنِ لازوال نہان در نہان شدی
لیکن ز خود بہ خود تو عیان در عیان شدی

عالم بیا نمودی و جانِ جہان شدی
جانِ جہان شدی ز دو عالم نہان شدی

اے مطلق از حدودِ مکان و زمان و کیف
در خلوتِ سراچۂ دل میہمان شدی

از ہر چہ ظاہر است تو ظاہر تری ازان
و ز ہر چہ باطن ہست نہان تر ازان شدی

اے واصلِ حقیقتِ نورِ محمدی
خوش رہ روی کہ مشعلِ صدر روان شدی

سرمہ ز خاکِ کوئے حبیبؐ کشیدہ
کالنسانِ عین گشتی و عینِ عیان شدی

می خواستم خدا برساند مرا بہ تو
تو نا خدا اے کشتیِ بے بادبان شدی

شکرِ ہدایتِ تو بجان روز و شب کنم
اے رہبرے کہ راہبر انس و جان شدی

گویند مصطفےٰ، تو غلام گرشتہ
کازادہ فارغ از غمِ ہر دو جہان شدی

دیگر

حسن مفتون عشق دیوانہ
عشق مجنون، حسن فرزانہ

حسن در نظم خود مکمل و چیست
عشق شوریدہ مست و دیوانہ

در ظہوراتِ حسن نورِ قدم
آمدہ تا حریم بتخانہ

ہر بتے مظہر جلال و جمال
مذہب عشق بت پرستانہ

حسن پردہ نشین و نیم عریاں
عشق بے پردہ نیم دیوانہ

مصطفےٰ حسن و عشق راچہ بیاں
سوزشِ شمع و جانِ پروانہ

دیگر

با کہ باید وفا کند شخصے
با محبان جفا کند شخصے؟

ہر کہ بگسست رشتۂ الفت
با چنین کس چہا کند شخصے؟

بہ رُخِ رندِ خام کج انداز
درِ میخانہ وا کند شخصے؟

آنکہ دانستہ گم کند منزل
رہبری تا کجا کند شخصے؟

عاشقے بر درش نظر دارد
شاید اور اصد اکند شخصے
دوش وقتِ سحر شنیدستم
مصطفےٰ مصطفےٰ کند شخصے

اُردو غزلیات

ترا چرچا کہاں ہوتا اگر میں بے زباں ہوتا
مری محفل نہ ہوتی تو کہاں تیرا بیاں ہوتا

اگر انساں نہ ہوتا بزمِ عالم کالعدم ہوتی
نہ جاں میں جان ہوتی اور نہ عالم کا نشاں ہوتا

فقط میں ہوں جو تیرے حسن کے ہر رُخ کا محرم ہوں
مری نظریں نہ ہوتیں تو ترا جلوہ کہاں ہوتا

متاعِ دردِ بھی اے مصطفےٰ معراج تھی دل کی
یہ غم انسان سہ لیتا جو جنت کا سماں ہوتا

دیگر

نمازِ عشق ہے اظہارِ آگہی کے لیے
عروج عقل اسی میں ہے زندگی کے لیے

یہ رمزِ عشق ہے ہر دو کی دوستی کے لیے
ولی خدا کے لیے ہی خدا ولی کے لیے

رواجِ آئینہ سازی کی حیرتیں مت پوچھ
ہے آئینے کو بنایا سکندری کے لیے

یہ اُن کا برقِ تبسم یہ ان کا لطفِ جمال
کبھی کسی کے لیے ہے کبھی کسی کے لیے

ذرا سا بھی اگر احساسِ بندگی ہوتا
خدا تراش نہ سکتے تھے بندگی کے لیے

بجا جو نغمۂ توحید تیرے گھر سے بجا
تو بت شکن ہے نہیں فنِ آزری کے لیے

جسے ہے خُلقِ کریمانہ مصطفےٰ کی نظر
وہ مثلِ مہرِ درخشاں ہی روشنی کے لیے

شبِ معراج

کعبے سے گئے مسجدِ اقصیٰ شبِ معراج
ہر شے تھی نظر گاہِ تمنا شبِ معراج

مستغنئ احساس رہا عشق وہاں سے
ٹھہری تھی جہاں عقلِ خجستہ شبِ معراج

اب عہدہ بر آ خواہشِ دیرینہ سے ہو جائیں
دیں روح الامیں تلووں کو بوسہ شبِ معراج

نبضِ دو جہاں ڈوب گئی تھی شبِ اسریٰ
ابوابِ سماوات ہوئے وا شبِ معراج

اے مصطفےٰ! پہنچی ہے نظر حسنِ یقیں تک
ایمانِ محبت ہوا تازہ شبِ معراج

غزل

اشک آنکھوں سے نکل کر بہ گئے جانے کہاں
آج بکھرے ہیں مری تسبیح کے دانے کہاں

جن کے قدموں میں خرد تھی جن کی نظروں میں جنوں
اب وہ دیوانے کہاں ہیں اب وہ فرزانے کہاں

اے جمالِ خاص تو ہے منتہائے آرزو
شمعِ محفل چھوڑ کر جائیں گے پروانے کہاں

ہم نے شاخِ برق پر اپنے بنائے آشیاں
یہ نہ ہوتی تو بناتے اپنے کاشانے کہاں

مصطفےٰ اب بھی ہے تشنہ ساقیِ دانائے راز
جب کہ مینا میں ہے مے جائیں گے مستانے کہاں

دیگر

طورِ حسن کے حریم خانے میں
دل وہ منزل ہے اس زمانے میں

قلبِ مردِ خدا وہ گوہر ہے
جس کا ثانی نہیں خزانے میں

میں تو کرتا ہوں طوفِ خانۂ دوست
اور دل ہے درونِ خانے میں

عالمِ قلبِ مصطفےٰ کیا ہے؟
کیا بیاں اس کا ہو فسانے میں

دیگر

خموش بیٹھے ہوئے آشیاں بناتے ہیں
ز سوزِ سینہ چراغِ چمن جلاتے ہیں

لٹا لٹا کے ہر اک چیز کو خلوص کے ساتھ
بصد شعور مقامِ وفا پہ آتے ہیں

ترے ہی نور سے ظاہر ہے صفحۂ ہستی
نقوشِ نیک و بد از لوحِ دل مٹاتے ہیں

نہ بن سکی ہے حقیقت کسی فسانے سے
حقیقتوں سے فسانے مگر بناتے ہیں

کسے خبر کہ گئے مصطفےٰ یہاں سے کہاں
بس اتنی بات کہ ہر ذرہ میں سماتے ہیں

تعلیماتِ مصطفائی میں سے انسانی معراج کیلیے
تیرہ نکات

اے انسان!

(۱) تو حق جو — حق گو — اور حق پرست رَہ!

(۲) تو خود شناسی کے نظری و عملی طریقہ سے حقیقت شناس بن!

(۳) تو تزکیۂ نفس — اور اخلاقی اِصطفا کے ذریعہ — نجات حاصل کر!

(۴) تو تعلیم و تعلّم کو بلا استثنا ترویج دینے میں بخل و کوتاہی نہ کر — !

(۵) تو جسمانی و عقلی صحت مندی کی رحمت سے بہرہ یاب ہو کر دوسروں کو بہرہ یاب ہونے کا موقع دے!

(۶) تو انسانی آزادی — اور انسان کے بنیادی حقوق کیلیے احساسِ ذمّہ داری پیدا کر!

(۷) تو معاشرتِ صالح — توسیعِ معاش — اور اقتصادی و صنعتی بلندیوں پر پہنچنے کی آزادی — کسی سے سلب نہ کر!

(۸) تو کسی کے مفاد کو — اپنے مفاد سے کم نہ سمجھ — اور کسی کا حقِ آزادی اُس وقت تک سلب کرنے کی کوشش نہ کر جب تک — وہ مہذّب — مفیدِ عامہ — اور قانونی طریقہ پر ہو!

(۹) تو اپنی اُس فطرت کے لیے — جو یقینی معقولات اور تجرباتی معلومات کی طرف مائل ہے وہ صحیح اور مستقیم راہِ عمل اختیار کر — جو مقصد تک رسائی کے لیے — شک و تردد سے پاک و صاف ہو!

(۱۰) تو انفرادی — خاندانی — اجتماعی اور بین الاقوامی — تمام دنیاوی امورات کو — مشورہ رواداری — مصالحت و امداد باہمی — ایثار و اُخوت — اور اتحاد و اتفاق کے ذریعہ

طے کرنے کی کوشش کر ــــ!

(۱۱) تو اپنے دماغ ــــ اور فکر و نظر کو ــــ ہر قسم کے تعصّب سے پاک ــ احساسِ برتری سے خالی ــــ خود خواہی سے بالاتر ــــ اور اخلاق سوز خصلتوں ــــ اور مضر جمہور نفع اندوزیوں کے رجحانات سے صاف کر کے ــ نوعِ انسان کی خدمت کا جذبہ اور روشن مستقبل کا تصوّر قائم کر ــــ!

(۱۲) تو محسنین و خادمانِ آدمیّت کا احترام ــــ امن و آزادی و سلامتی کی طرفداری ــ مظلوم کی حمایت ــــ اور ہر شخص سے احسان کر ــــ اور غیر مہذب الفاظ ــــ استہزاء آمیز کلمات ــــ جنگ جویانہ حرکات ــــ یا ــ فتنہ و فساد انگیز اشارات سے گریز کر ــــ!

(۱۳) تو حاملِ امانت ہے ــــ حقِ امانت ادا کر ــــ اپنے عہد و پیمان پر استوار رَہ ــــ ہر عمل میں ظاہر آرائی سے باز آ ــــ اور دَوام اخلاصِ قلبی کو شعار بنا ــــ پھر بھی ان پر مغرور نہ ہو ــــ تاکہ تیرے اعمال بار آور ــــ اور خاتمہ با اعتبار ہو ــــ!

(نوٹ) جملہ اخوانِ مصطفائی سے التماس ہے کہ وہ مزید حالات، واقعات اور مشاہدات کو اپنی مادری زبان میں لکھ کر یا لکھا کر جس طرح بھی ممکن ہو، ذیل کے پتہ پر ارسال فرمائیں جو ان کے نام سے (ترجمہ کر کے) دوسرے حصّہ میں شامل کر دیا جائے گا ــــ

پتہ :- حکیم ذوقی ـ مکان نمبر ۲۸۵ ـ بلاک "بی" ـ یونٹ نمبر ۱ لطیف آباد حیدرآباد ـ

تمت بالخیر